U16657. 14-12-9.

Title - SHAKUNTALA.

Creator - Kali Das; Tarjuma Sayyed Akhtar Hussain Raipuri.

Publisher - Anjuman Taraqqi Urdu, Hind (New Delhi)

Date - 1938

Pages - 128

Subjects - Sanskrit Adab - Drama - Urdu Tarajum

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۱۱۱

شکنتلا

از

کالی داس

مترجمہ

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری
ڈی۔لٹ (پیرس)

شائع کردہ
انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی
۱۹۴۳ء

دوسرا ایڈیشن

قیمت مجلد [illegible] بلا جلد [illegible]

فہرستِ مضامین شکنتلا

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام منیجر چھپی اور سید صلاح الدین جمالی
منیجر انجمن ترقی اُردو (ہند) نے دہلی سے شائع کی۔

مقدمہ

کیا تمھیں بہار کا شباب دیکھنا ہے؟ کیا تمھیں خزاں کی شفق کا نظارہ کرنا ہے؟ تمھیں وہ سب کچھ چاہیے جس میں حسن کے ساتھ عظمت ہے اور تسکین کے ساتھ لطف؟ اور یا تم زمین و آسمان کی تمام رنگینیوں سے آشنا ہونا چاہتے ہو؟ تو لو — میں شکنتلا کا نام لیتا ہوں —— اور تمھیں یہ سب مل گیا!

(گوئٹے)

کالی داس کا یہ ناٹک ہندوستانی ادب کا انمول موتی ہے۔ اٹھارھویں صدی کے آخر میں جب سر ولیم جونس نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا تو یورپ کے ادبی حلقوں میں ہل چل سی مچ گئی۔ پھر اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا پتہ عمر خیام کی رباعیات سے ہلکا نہیں۔ مغرب کی تمام زبانوں میں —— بیسیوں زمانہ بدوشوں (؟) تک کی بولی میں —— اس کے ترجمے شائع ہوئے۔ گوئٹے جیسے ادیب نے جی کھول کر اس کی داد دی اور گوتیر جیسے شاعر نے فرانسیسی میں اس کا اوپیرا لکھا۔ اب ہیملیٹ اور فاؤسٹ کے ساتھ اس کا شمار دنیا کے تین بہترین ڈراموں میں ہوتا ہے۔

خود اپنے دیس کے ادب میں شکنتلا کا مقام بہت اعلیٰ ہے۔ سنسکرت کے رسیا اس کے قدیمی شیدائی ہیں۔ ملک کی تمام ادبی زبانوں میں اس کے پچھلے برسوں ترجمے ہو چکے ہیں، لیکن اردو ابھی تک اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہی۔ کالی داس نے جو تین ڈرامے لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک

یعنی 'بکرم اُروسی' اُردو میں منتقل ہو چکا ہے۔ دوسرا یعنی 'مالوکا اگنی مترا' نقشِ اوّل ہے اور باقی دونوں کی رفعت کو نہیں پہنچتا۔ البتہ اس کا محفلِ رقص کا سین بہت مشہور ہے اور رسالہ اُردو کے کسی پچھلے نمبر میں اس کا ترجمہ شایع ہو چکا ہے۔ تیسرا ڈراما 'شکنتلا' ہے جس کا ترجمہ پیشِ نظر ہے۔

دُنیا کے بڑے ادیبوں میں بہتیرے ایسے ہیں جن کے حالات کا پتا نہیں۔ لیکن کالی داس جیسا کوئی نہیں۔ مدّتوں کی چھان بین کے باوجود اب تک نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کس زمانے اور کس مقام کا آدمی تھا۔ ایشیائی ادیبوں کی لن ترانی کے مقابلے میں یہ خود فراموشی اور انکسار اس کی اخلاقی تہذیب کا شاہد ہے۔

اس کے متعلق جو نظریے قائم کیے گئے ہیں ان سب کی بنیاد اس کے اسلوب، الفاظ اور محاوروں کے استعمال اور مخصوص مقاموں، رسموں، اور دیوتاؤں کے ذکر پر ہے۔ ان کی بنا پر محققین کا ایک گروہ اسے چوتھی پانچویں صدی میں جگہ دیتا ہے اور قیاس کہتا ہے کہ شاید یہ خیال ٹھیک ہو۔

کالی داس کی جو تحریریں اب تک دستیاب ہوئی ہیں، ان میں ان ڈراموں کے علاوہ رگھو ونش، کمار سنبھو، رتو سنہار اور میگھ دوت نامی نظمیں بھی ہیں۔ آخرالذکر کا ترجمہ اُردو میں ہو چکا ہے۔ دراصل یہ نظمیں ہی ہیں، جن کی بنا پر کالی داس سنسکرت کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے کیونکہ برہمنوں کے ادبی نظریے کے مطابق ڈراما بھی ایک قسم کی نظم ہے جسے 'درشیہ کاویہ' یعنی 'نظم مشہود' کہتے تھے۔ ڈراما کا مقصد زندگی کی کری تصویر پیش کرنا نہیں بلکہ کسی 'رس' کا اظہار محض ہے۔ اُردو یا کسی اور زبان میں 'رس' کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں، کسی حد تک 'جذبہ' کے قریب آ سکتا ہے۔

شکنتلا کا قصہ کالی داس کے تخیل کی اُپج نہیں۔ یہ بھی اس عظیم الشان داستان 'مہا بھارت' کی ایک کڑی ہو۔ یہ پوتھی ایک آئینہ خانہ ہو جس میں قدیم ہندو زندگی کا ہر پہلو صاف صاف نظر آتا ہو۔ اگر ایک طرف اس میں گیتا موجود ہو تو دوسری طرف نل دمن کی پریم کہانی بھی ہو۔ کہیں بزم کی رنگ رلیاں ہیں تو کہیں رزم کی مار دھاڑ۔ شکنتلا کا قصہ بھی اسی میں نظم ہو اور بجائے خود بہت پُر لطف ہو۔ اس کا ایک زرا سا خاکہ دینا بے محل نہ ہوگا تاکہ ڈرامے کے پلاٹ سے اس کا مقابلہ ہو سکے۔

راجا دُشینت شکار کھیلتے ہوئے ایک تپ بن میں جا پہنچتا ہو اور وہاں شکنتلا کو دیکھتا ہو۔ پہلی ہی نظر میں اس پر فریفتہ ہو جاتا ہو۔ وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہو۔ راجا کہتا ہو کہ ہم گاندھرو ریت کے مطابق شادی کر لیں۔ پُرانے زمانے میں جن مختلف قسم کی شادیوں کا رواج ہندی آریاؤں میں تھا' ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دو چاہنے والے اپنی مرضی سے بیاہ کر سکتے تھے' کسی تیسرے آدمی کی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ پہلے تو شکنتلا جھجکی اور کچھ آنا کانی کرتی رہی لیکن راجا ان معاملوں میں مشّاق تھا۔ اُس نے ایسی باتیں بنائیں کہ وہ جھانسے میں آگئی اور اس شرط پر شادی کے لیے رضامند ہو گئی کہ اس کا بیٹا گدی کا وارث ہوگا۔

بیاہ کے بعد راجا اپنی نگری کو لوٹ گیا۔ اِدھر شکنتلا کے اس سے ایک لڑکا ہوا۔ برسوں گزر گئے اور جب راجا نے کچھ سُن گُن نہ لی تو وہ خود دو سادھوؤں اور اپنے بیٹے کو لیے ہوئے دربار جا پہنچی۔ راجا بھولا تو نہ تھا لیکن دُنیا کے دکھاوے کے لیے اس نے اسے پہچاننے سے

انکار کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ راجا نے اُسے بہت بیدردی سے کھری کھری سُنائی۔
سادھو یہ تماشا دیکھ کر وہاں سے چمپت ہو گئے لیکن شکنتلا دلیری سے
وہیں ڈٹی رہی۔ اپنی پاک دامنی کو سر بازار رُسوا ہوتے دیکھ کر وہ غصّے
کے مارے کانپنے لگی۔ مہابھارت کے شاعر نے یہ نقشہ بڑی خوب صورتی
سے کھینچا ہی: "یہ سُن کر وہ گدگدُے سُرین والی شرم کے مارے وہیں
کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ گویا یہ بے چاری درخت کی ایک سوکھی ساکھی ٹہنی
تھی جسے پالا مار گیا تھا۔ اس کی آنکھیں غصّے سے سُرخ ہوگئی تھیں اور یہ
معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی جلتی ہوئی چتونیں راجا کو ابھی خاک سیاہ کر دینگی۔
تمتماتے ہوئے چہرے اور چور نگاہوں سے راجا کو دیکھتی ہوئی وہ خشک
ہونٹوں والی بولی کہ "مہاراج! تم تو بڑے آدمی ہو، یہ اوچھا بول تمھیں کب
زیب دیتا ہی۔ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر زرا کہو تو دودھ کیا ہی اور پانی
کیا ہی۔ کسی کی پچ نہ کرکے بتاؤ تو ہی کہ حقیقت کیا ہی۔ اپنے ضمیر کی آواز
کو یوں نہ ٹھکراؤ۔ جو اپنے ضمیر کی اصل شکل کو مسخ کرتا ہو وہ سب سے
بڑا مجرم ہی۔ اپنی خودی کے چور سے بڑا چور اور کون ہو سکتا ہی۔

تم سوچتے ہوگے کہ میرے من کی بات کون جانتا ہی۔ یوں نہ
سمجھو کیونکہ من کے مندر میں ایک بڑا دیوتا رہتا ہی۔ اور وہ نیکی و
بدی کا حساب رکھتا ہی۔ اس کے دیکھتے دیکھتے تم اتنی بڑی تہمت تراش
رہے ہو۔ ہر بدکار اسی خام خیالی میں مبتلا رہتا ہی کہ میرے کیے کی کسی
کو خبر نہیں۔ آسمان پہ رہنے والا خدا اور دل میں رہنے والا انسان ـــ
یہ دونوں اسے خوب پہچانتے ہیں۔ سورج اور چاند، مٹی اور پانی،
ہوا اور آگ، دن اور رات، صبح اور شام ـــــ یہ سب الشان

کی زندگی کے گواہ ہیں۔ یم (موت کا دیوتا) اُس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو نادم اور تائب ہو، لیکن جس کی فطرت بد ہوتی ہے، یم اس کے لیے بجلی کا کوڑا تیار رکھتا ہے۔ جو اپنے ضمیر کو حقیر سمجھتا ہے اور اس کی ہدایت کے خلاف عمل کرتا ہے، دیوتاؤں کا رحم و کرم اس کے لیے نہیں"۔

اتنے میں ایک آکاش بانی سُنائی دیتی ہے کہ "اے دُشینت تو نے جو مشعل جلائی تھی اُس کی آگ کو پہچان؛ جو بیج بویا تھا اس کے ثمر کو جان"۔ یہ سُن کر راجا کو سُدھ آتی ہے۔ بڑے حیلے حوالے کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ پہلے انکار نہ کرتا تو دُنیا کو یقین نہ آتا۔ پھر وہ شکنتلا کو مہارانی اور بچے کو اپنا وارث بنا لیتا ہے۔

یہ قصہ بالکل سیدھا سادا ہے، دربار کے سین کے علاوہ اس میں کوئی ڈرامائی منظر نہیں۔ شکنتلا کا کردار بے رنگ ہے اور راجا کا سلوک سراسر نفرت انگیز۔

کالی داس نے اپنا پلاٹ یہیں سے لیا ہے۔ سنسکرت کے ڈرامائی نظریے کے مطابق ناٹک کا پلاٹ قدیم اساطیر سے لینا ضروری تھا۔ ابتدائی تمثیل نگار مثلاً بھاس، بھوبھوتی اور کالی داس اس قسم کی تحدیدوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ پھر یہ کوئی انوکھی بات بھی نہیں۔ شیکسپیئر، گوئٹے وغیرہ کے پلاٹ اسی قسم کے قصوں سے مستعار ہیں۔ سگھڑ سے سگھڑ برتن کی اصل وہی کچی مٹی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان بے ترشے پتھروں کو جوہری نے کیسی جلا دی ہے۔

مہابھارت کی کہانی میں سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ راجا کے

روپیے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ ایک شہوت پرست دنیا دار تھا جو
ایک بھولی بھالی لڑکی کو پھسلا کر اپنا کام نکال لیتا ہے اور پھر اس کی
بات بھی نہیں پوچھتا۔ آمنا سامنا ہونے پر بھی وہ ڈھٹائی سے کام
لیتا ہے اور ہرگز پشیمان نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ آوازِ غیب نہیں سنائی دیتی۔
شکنتلا ایک گنوار مگر ہوشیار لڑکی ہے۔ اس کا کردار نرا پھیکا پھیکا
اور بے نمک ہے۔

کالی داس نے اس بے جان کہانی کو بڑی خوبی سے زندہ کیا
ہے۔ راجا چلتے چلتے شکنتلا کو ایک انگوٹھی دے گیا۔ چند روز بعد
آشرم میں ایک بگڑے دل سادھو کا گزر ہوا۔ شکنتلا اپنے پیا کی یاد
میں ایسی حیران و پریشان بیٹھی ہے کہ مہمان کا دھیان نہیں۔ اس
زمانے میں مہمانوں کی عزت دیوتاؤں سے زیادہ ہوتی تھی۔ معاشیات
کے عالم اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سماج میں نجی دھن مال کا خیال
ابھی نیا تھا اور مہمان نوازی اس خیال کی بازگشت تھی کہ قدرت کے
بھنڈار پر ہر فردِ بشر کا مساوی حق ہے۔ جو بھی ہو، یہ سادھو اپنی ہتک
پر سخت برہم ہوا اور بد دعا دی کہ تو جس کے دھیان میں یوں مگن
ہے وہ تجھے یک سر بھول جائے گا۔ جب منت سماجت کی گئی تو
اُس نے کہا کہ اچھا انگوٹھی دیکھ کر وہ تجھے پھر پہچان لے گا۔
جب شکنتلا آشرم سے پیتم کے گھر چلی تو وہ انگوٹھی ناگہاں
ایک ندی میں گر پڑی اور شومئی قسمت کہ اُسے اس کی خبر بھی
نہ ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تصور دلچسپ ہے اور اس سے داستان

کا لطف بڑھ گیا۔ راجا کے دامن سے کلنک کا دھبا چھُٹ گیا اور شکنتلا کی معصومیت اور بھی نکھر گئی۔ ہمارے لیے یہ بات انہونی سی ہے کہ کسی کی بد دعا کا اثر اتنا دُور رس کیسے ہوسکتا ہے لیکن کالی داس کے زمانے میں ایک برہمن کا قول سب کچھ بنا بگاڑ سکتا تھا اور کسی راجا سے گناہ کا ارتکاب ہونا محال تھا۔ یاد رہے کہ ہندو تمثیل نگار میں اپنے یونانی ہم کاروں کی آزادیٔ خیال ہمیشہ ناپید رہی اور ہندوستانی مزاج نے خود تنقیدی کی ٹیڑھی راہ سے برابر گریز کیا۔

اس پس منظر کے بعد اب اصل ڈرامے کی طرف آئیں (اس کی روح شکنتلا کی ذات ہے۔ ہزاروں سال بیت گئے، لیکن شکنتلا کی صورت میں ہم اب بھی اُس ہندوستانی لڑکی کو دیکھ سکتے ہیں جس کا چہرہ ابھی غازے کے بار سے مسخ نہیں ہوا ہے۔ ہمیں اس بحث میں نہیں پڑنا ہے کہ یہ کردار کن خوبیوں اور کمزوریوں کا حامل ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہندستان کی نسوانیت کی یہ تصویر صحیح ہے، یا غلط۔ اس نظر سے دیکھیں تو شکنتلا کے سینے میں ہم اس کی بے شمار بہنوں کے قلب کی دھڑکن سُن سکتے ہیں۔ اس کی محبت بے پایاں ہے ماں باپ، شوہر، اولاد اور سکھی سہیلیوں کو بانٹ کر بھی یہ اَمر گنگا خشک نہیں ہوتی۔ چرند پرند اور پیڑ پودے تک اس چشمۂ حیواں سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس محبت میں لین دین کا کوئی جذبہ نہیں۔ اس کے بدلے وہ کسی چیز کی توقع نہیں رکھتی!

اور اس کی تصویر بنانے میں کالی داس نے نزاکت، اور نفاست کی انتہا کر دی ہے۔ ایشیائی شاعروں میں تناسب، موقع شناسی

اور تہذیب کے اعتبار سے کوئی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ وہ تصویر میں رنگ دینا ہی نہیں جانتا بلکہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کس رُخ پر روشنی کی کون سی کرن پہنچے۔ سنسکرت میں اس کی تشبیہیں ضرب المثل ہیں۔ اس کا تخیل جتنا بلند ہے، اس کا مشاہدہ اتنا ہی صحیح ہے۔ اس میں مبالغے کو دخل نہیں۔ مثلاً پہلے منظر میں گھوڑے کی تیزی رفتار کو لیجیے، یا آخری سین میں اندر کے رتھ کے آسمان سے نیچے اُترنے کے بیان کو دیکھیے۔ جنھوں نے جوش اور غصّے سے سرپٹ بھاگتے ہوئے گھوڑے کو غور سے دیکھا ہے اور ہوائی جہاز کی قلا بازیوں کا لطف اُٹھایا ہے، وہ مانیں گے کہ کالی داس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ ایسے مقام ڈرامے کے ہر ہر صفحے پر آئیں گے۔

یہ سوال ذرا کٹھن ہے کہ کالی داس نے یہ ناٹک کسی مقصد سے لکھا تھا یا نہیں۔ سنسکرت کا فنِّ ڈراما اس قدر محدود ہے اور تمثیل نگار کا قلم اتنے تعینات میں چلتا ہے کہ دل یا نگاہ کو اِدھر اُدھر بھٹکنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ناٹک شاستر نے ایک اٹل لکیر کھینچ دی ہے، جس کے باہر قدم رکھنے کا ہیاؤ اُس زمانے کے لوگ نہ کر سکتے تھے۔ پلاٹ کہاں سے لیا جائے، ہیرو کون ہو، ہیروئن کون ہو، وہ کس زبان میں بولیں، —— غرض کہ ہر باریک سے باریک نکتہ معیّن کر دیا گیا ہے۔ اور ان تمام قیود کے بعد صرف یہ کہنے کی گنجایش باقی رہ جاتی ہے کہ آرٹ کی تخلیق حرام ہے!

ظاہر ہے کہ ان بندشوں میں رہ کر حقیقی فن کاری دشوار ہے۔ صنعت گری دوسری چیز ہے مگر جب برہمن ذہنیت رنگ سازوں اور بڑھیوں کے لیے

بھی قانون و ضوابط بنانے سے نہ چوکتی تھی، وہ بے چارے ناٹک والوں کا گلا یوں آسانی سے کب چھوڑ دیتی۔ غرض کہ فنی تخلیق کی گردن میں پھندا سا پڑ گیا اور اس کا دائرہ کار بہت ہی محدود ہو گیا مگر سب سے زیادہ نقصان اس چلن سے ہوا کہ کوئی ناٹک المیہ نہ ہو۔ اسٹیج پہ کوئی ٹریجڈی نہ دکھائی جائے۔ اور اگر کوئی دُنیوی طاقت رنج و محن کے اسباب پیدا بھی کرے تو اس کے سدّ باب کے لیے دیوی دیوتاؤں کی ایک فوج تیار ہے۔ کہنے کی بات نہیں کہ انسان کی عظمت اس کی ٹریجڈی میں مضمر ہے۔ اور ادب کے اکثر شاہکاروں کا اظہار اسی صنف میں ہوا ہے۔

ہمارے سوال کا جواب یہیں ملتا ہے۔ ایک طرف آرٹ کے خود رو رجحانات تھے جو لامحالہ ٹریجڈی کی طرف جاتے، اور دوسری طرف پنڈتوں کے خود ساختہ اور بے معنی آئین تھے جو فن کار کو پرانی لکیروں پر چلنے کو مجبور کر رہے تھے۔ کالی داس کمزور تھا، اجتہاد نہ کر سکا۔ ادبی روایتوں کا دامن نہ چھوڑ سکا۔ خیال کی دُنیا میں نشان برداری کا کام بڑے جیوٹ کا ہے، اور یہاں بڑے بڑوں کے پیر اکھڑ جاتے ہیں۔ تمثیلی وحدتیں (UNITIES.) بتا رہی ہیں کہ یہ بہت بڑی ٹریجڈی ہے۔ لیکن بُرا ہو ان روایتوں کا کہ کالی داس جیسا باکمال بھی ٹھٹھک گیا اور اسے بھی دستِ غیب کا آسرا ڈھونڈنا ہی پڑا۔

یہ ہندستانی عورت کی ٹریجڈی ہے۔ یہ اس کی بیچارگی کا مرثیہ ہے۔ یہ اس مرد کی سفاکی کا شکوہ ہے جو بھولی بھالی کنواریوں پر ڈورے ڈالتا ہے۔ اُس وقت تک اُن کا رس پیتا ہے جب تک پھیکا نہیں جاتا

اور پھر اُنھیں پُرانی جوتیوں کی طرح اُتار کر پھینک دیتا ہے۔ ہیملیٹ کی ٹریجڈی زیادہ عظیم الشان ہے کیونکہ وہ دُنیا کے اژدحام میں انسان کی تنہائی کی تصویر ہے۔ اور فاؤسٹ کا الم زیادہ عبرتناک ہے کیونکہ یہ ایک رُوح کی خودکشی کا نظارہ ہے۔ لیکن شکنتلا کا افسانہ ان دونوں سے زیادہ دردناک ہے۔ کیونکہ اس کا سوگ بے زبان ہے۔ وہ ایک دوشیزہ کی فریب خوردگی یا مایوسی نہیں بلکہ ایک ماں کی توہین کی کہانی ہے۔ ہیملیٹ اپنی محبوبہ کی پکار کو نہیں سُن سکتا کیونکہ اس کی عقل بھٹک رہی ہے۔ فاؤسٹ اپنی عاشقہ کی کراہ کو نہیں سُن سکتا کیونکہ وہ اپنے حواس بیچ چکا ہے۔ لیکن دُشینت اپنی پیاری کی آواز کو نہیں پہچانتا کیونکہ وہ اُسے بھول چکا ہے۔

(ایک عورت اپنے محبوب کے آگے کھڑی ہے۔ اس کے کانوں میں اب تک وہ مدبھرے گیت گونج رہے ہیں جو اس بھولنے والے نے کل اُسے سُنائے تھے۔ اور اس کے ہونٹوں پر اب تک اس کا بوسہ رقص کر رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اس کے بچے کی حامل ہے۔ وہ دنیا کے راہ و رسم سے بیگانہ ہے۔ جنگل کے پیڑ پودوں میں اس کی چھوٹی سی عمر گزری ہے۔ کل جس مَرد نے اُسے زندگی کا ایک نیا ــــ اور عورت کے لیے سب سے بڑا ــــ راز بتایا تھا، وہ اس کی پناہ لینے آتی ہے۔ اس نے بے سوچے سمجھے محبت کے بھنور میں اپنی کشتی ڈال دی تھی۔ اب وہ اپنے باپ کے گھر نہیں لوٹ سکتی، ساحل کی زندگی اُس کے لیے نہیں۔

وہ امیدوں اور ارمانوں کا طلسم لیے ہوئے اپنے محبوب کے

دربار میں آئی ہی تھی کہ اس کی ایک "نہیں" نے خوابوں کی دُنیا کو اُجاڑ دیا۔ وہ بے درد اسے پہچاننے تک سے انکار کر دیتا ہے۔ وہ تو یہ بھی کہہ گزرتا ہے کہ یہ بچّہ کسی اور کا ہے، تو کسی اور کی ہے۔

یہ ہے وہ جواب جو مرد، عورت کو مدّتوں سے دیتا آیا ہے۔ حرامی بچّوں اور بدنصیب طوائفوں کا سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ تہذیب کے دامن پر یہ کتنا بد نما کلنک ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو شکنتلا اسی کی دُکھ بھری کہانی ہے۔

سچ پوچھا جائے تو ناٹک یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ سنسکرت ادب میں ایک جگہ اور ایسا ہی واقعہ آیا ہے۔ جب رام چندر لنکا سے سیتا کو لے کر لوٹتا ہے تو دُنیا کو —— اور خود اُسے —— اس کی پاک دامنی پر شبہ ہوتا ہے۔ اُس زمانے کے رواج کے مطابق اُسے آگ میں جلا کر دیکھا جاتا ہے اور اُسے آنچ بھی نہیں لگتی۔ اس کے بعد کسی کو اس پر الزام دھرنے کا حق نہیں رہتا۔ لیکن مرد کا شک یوں ٹھنڈا نہیں پڑتا۔ سیتا اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ اپنی دھرتی ماتا سے التجا کرتی ہے کہ مجھے اپنی گود میں جگہ دے۔ اور زمین پھٹ کر اُسے نگل لیتی ہے۔

شکنتلا کا انجام بھی اس سے کچھ ملتا جلتا ہے۔ اس کی ماں جو ایک پری ہے، اُسے اُٹھا کر آسمان پر لے جاتی ہے۔ یہ ڈراما کا 'نکتۂ عروج' ہی نہیں بلکہ 'انجام' بھی ہے۔ ناظر خود محسوس کرے گا کہ اس کے بعد فن کار کی قوت میں رفتہ رفتہ انحطاط ہو رہا ہے۔ اُسے پہچاننے کے لیے تھوڑی سی نکتہ شناسی کی ضرورت ہے کیونکہ کالی داس حسنِ بیان

کا راجا ہو اور اس کے الفاظ کا جادو ایسا نہیں کہ کوئی بچ جائے۔

اس ڈرامے کے پہلے مترجم سر ولیم جونس نے کالی داس کو ہندوستان کا شیکسپیر کہا ہو۔ دراصل یہ مرتبہ اس کو پھبتا بھی ہو لیکن ہمیں نہ بھولنا چاہیے کہ کالی داس کا میدان بہت تنگ ہو اور اس میں ایک قسم کی خود اطمینانی اور بے نیازی سی ہو۔ دنیا کی کشاکش اور قدرت کے راز اس کے دل میں کوئی تجسّس پیدا نہیں کرتے۔ ذہنی اعتبار سے اس کی حیثیت ایک طباع شاگرد کی ہو جو اپنے اُستاد کے بتائے ہوئے اصولوں پہ آنکھ بند کرکے عمل کرتا جاتا ہو۔ اس کے سامنے کروڑوں شودر اور اچھوت جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرتے تھے لیکن وہ اُن پہ نگاہ ڈالنے کی بھی جرأت نہیں کرتا۔ برہمن کی حمد اور راجا کا قصیدہ —— یہ اس کا بندھا بندھایا فرض منصبی ہو۔ اس کی کوئی تحریر ہم میں بےقراری اور بے چینی پیدا نہیں کرتی۔ اس کا درس سکون کا ہو۔ اس کے دروازے کے آگے بھوکوں اور کنگالوں کا انبوہ لگا ہوا ہو اور وہ کنڈی لگا کر اپنا پیٹ بھر رہا ہو۔ جو لوگ سنسکرت ادب کے زوال کی ذمےداری مسلمانوں کی فتح پہ رکھتے ہیں، انھیں اس کے اسباب ادیبوں کی روایت پرستی اور اجتہاد بیزاری میں ڈھونڈنے چاہییں۔

لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا ہو کہ بہر حال کالی داس بھی اپنے زمانے کی اولاد ہو۔ یہ وہ دن تھے جب بودھوں کے حملے کو روک کر برہمن پھر اُبھر آیا تھا۔ ہندستان کی پوری تاریخ میں سماجی احتجاج کی جو ایک ہلکی سی چیخ سنائی دی تھی، برہمن نے اُسے دبا دیا تھا۔ اس کشمکش کا

ردِ عمل اس صورت میں ہونا ہی تھا کہ لوگ اپنی روایتوں پر زیادہ شدّت سے عامل ہو جائیں۔ جب تک تاریخ کا نیا دور شروع نہیں ہوتا، ادب میں کوئی نیا رجحان پیدا نہیں ہوتا۔

حیرت تو اس پر ہو کہ اتنے بندھنوں میں رہ کر بھی کالی داس یہ ستارہ کس آسمان سے توڑ لایا۔ یہ سچ ہو کہ وہ ہمیں ایسا چمن نہ دے سکا جسے انسانیت چکھ سکے۔ لیکن اس کے بدلے اس نے ہمیں ایک ایسا سدا بہار پھول دیا، جسے ہم رہتی دُنیا تک سونگھ سکتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ناٹک کا پردہ اُٹھے اور ناظرین اُس کی رنگینیوں میں کھو جائیں، ہمیں ان سے اس ترجمے کی داد لینا ہو۔

سب جانتے ہیں کہ ترجمہ — اور وہ بھی کسی غنائی ڈرامے کا ترجمہ بڑے جوکھوں کا کام ہو۔ اس پر طرفہ یہ کہ ترجمہ براہِ راست سنسکرت سے کرنا تھا۔ سنسکرت اور اُردو کی فطرتوں میں وہی فرق ہو جو کسی مالوائے پنڈت اور لکھنؤ کے میرزا میں ہو سکتا ہو۔ اور سنسکرت بھی کالی داس کی، جو اس منجھی منجھائی اور دُھلی دُھلائی زبان کا سب سے بڑا صاحب طرز ہو۔ اس کی بلاغت اور معنی آفرینی ایک دوسرے پر دال ہیں اور ان دونوں کے ساتھ مختصر نگاری کا ایسا جھومر لگا ہوا ہو جو مترجم کی جان کا وبال ہو۔

اِدھر تو یہ دقّتیں تھیں، اُدھر سنسکرت کی کسی ادبی تصنیف کا اُردو میں براہِ راست ترجمہ نہیں ہوا تھا کہ نقشِ قدم کا کام دیتا۔ اس قسم کی یہ پہلی کاوش تھی۔ خود مشعل جلانا اور خود ہی راہ ڈھونڈنا تھا۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر کالی داس کا وہ اشلوک بار بار یاد آتا تھا۔ جو

اس نے 'رگھوونش' کے آغاز میں لکھا ہے۔ یہ نظم رام چندر کے اجداد کا قصیدہ ہے۔ شاعر ان کے مقابلے میں اپنی بے بساطی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "کہاں یہ اونچا پورا پیڑ اور کہاں مجھ بونے کی کوشش کہ اس کی ٹہنیوں سے کوئی پھل اُچک لوں"

بہر حال کام کرنے کا تھا اور کیا گیا۔ بھلے بُرے کی مجھے خبر نہیں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ترجمہ ایمانداری سے کیا گیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت ہمیشہ یہ اصول پیشِ نظر رہا ہے کہ اگر یہ ناٹک اُردو میں لکھا جاتا تو اس کا روپ کیا ہوتا۔ اصل عبارت میں نظم و نثر کا عنصر نصف نصف ہے۔ ترجمے میں نظم کو مکالمے میں یوں گھلانے کا جتن کیا گیا ہے کہ بے ربطی پیدا نہ ہو۔ اب جانچنے والے خود اس کے کھوٹے کھرے کی پرکھ کریں۔

یہ شگون نیک ہے کہ ادب العالیہ کے تراجم کی جو اسکیم انجمن نے سوچی ہے، اس کی ابتدا اپنے ملک کے سب سے بڑے ادبی شاہکار سے ہو رہی ہے۔

اختر حسین
پیرس
مارچ ۱۹۳۸ء

کردار ڈراما

مرد :—

دُشنیت ہستنا پور کا راجا۔ پُرو کے گھرانے کا پانی دیوا۔
مادھو دُشنیت کا یار غار، دربار کا مسخرہ۔
کنو تپ بن کے رشیوں کا مُکھیا اور شکُنتلا کا منہ بولا باپ۔
سروَدمن دُشنیت سے شکنتلا کا بیٹا۔ آگے چل کر اس کا نام بھرت ہُوا جس سے ہندستان بھارت ورش کہلایا۔
کشیپ ایک نامی گرامی جوگی جو برہما کا پوتا اور دیوتاؤں کا جنم داتا سمجھا جاتا تھا۔
ماتلی اِندر دیوتا کا رتھ بان۔
شارنگرو } کنو کے چیلے۔
شاردوت }

(کوتوال، پیادے، دربان، حاجب، ماہی گیر، سادھو وغیرہ)

عورتیں :—

شکُنتلا :- مینکا اپسرا (حور) کی بیٹی، کنو کی مُنہ بولی لڑکی۔
پریموِدا } شکنتلا کی سکھیاں۔
انسویا }

گوتمی — کنو رشی کی بہن، ایک بوڑھی جوگن۔
وسومتی — دُشنیت کی رانی۔
سانومتی — ایک اپسرا (حور)، شکنتلا کی سہیلی۔
ونیردتی }
چترکا } محل کی لونڈیاں۔
ادیتی — کشیپ رشی کی بیوی۔
(سہیلیں، آروابیگنی، مالنیں، جوگن وغیرہ۔

اِشارات

ہر سنسکرت ڈراما حمد سے شروع ہوتا ہے جسے ڈرامائی اصطلاح میں 'ناندی' کہتے ہیں۔ ایک برہمن اسٹیج پر آکر اُسے سناتا ہے۔

پھر اداکاروں کا مکھیا جسے سوتر دھار (ادا آموز) کہتے ہیں، آتا ہے اور اپنی نٹی یا دوسرے اداکاروں کو جتاتا ہے کہ آج فلاں کھیل ہوگا۔ اپنی گفتگو کے دوران میں وہ تماشائیوں کو آنے والے منظر کے لیے تیار کرتا ہے۔ اسے تمہید سمجھنا چاہیے۔

سنسکرت کے ناٹکوں میں ایکٹ یعنی 'انک' ہوتے ہیں لیکن مغربی ڈراما کی طرح انھیں مزید سینوں میں نہیں بانٹا جاتا، ایک ہی ایکٹ میں کئی کئی مناظر دکھا دیے جاتے ہیں اور بسا اوقات زمان و مکان کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ مقدمے میں اس کے متعلق تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

البتہ دو ایکٹوں میں ربط قائم کرنے کے لیے کبھی کبھی نئے ایکٹ کے شروع میں ایک چھوٹا سا تمہیدی منظر پیش کیا جاتا ہے جسے 'وشکمبھک' یا 'پرویشک' کہتے ہیں۔

عبارت میں جہاں بریکٹ کے اندر (خود) لکھا ہے اُس سے مُراد یہ ہے کہ کردار اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے، کسی اور کو نہیں سُنا رہا ہے۔ جہاں بریکٹ میں (بآواز) لکھا ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ کردار کی خود کلامی ختم ہوگئی اور اب وہ دوسرے افراد کو مخاطب کر رہا ہے۔ انگریزی میں انھیں ALOUD اور ASIDE کہتے ہیں۔ جب بریکٹ میں (علیحدہ) لکھا ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ کردار حاضرین میں سے کسی آدمی کے کان میں کچھ کہہ رہا ہے۔

بریکٹ میں جہاں "پس پردہ" لکھا ہے اُس سے یہ مُراد ہے کہ دُور سے آواز آرہی ہے۔

پُرانک تلمیحات

کتاب میں کہیں کہیں ایسی تلمیحات آگئی ہیں جن کا تعلق ہندوؤں
کی قدیم اساطیر سے ہو متن میں ایسے مقاموں پر نشان بنا دیا گیا ہو۔
ذیل میں اُن کے مطالب سلسلہ وار دیے جاتے ہیں:۔

(۱)۔۔۔ پاربتی نے اپنے باپ 'دکچھ' کی مرضی کے خلاف شوجی سے بیاہ کرلیا تھا۔ اِس وجہ سے داماد اور خسر میں بڑی کشا چھپنی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ 'دکچھ' کے گھر "یگیہ" کی تقریب ہوئی جس میں شوجی کے سوا سب بڑے لوگ مدعو تھے۔ وہاں 'دکچھ' نے اپنی بیٹی کے آگے شوجی کو بُرا بھلا کہا۔ پاربتی پر اس کا اتنا اثر ہُوا کہ اس نے یوگ سادھ کر اسی وقت تن تج دیا۔ جب شوجی کو خبر ملی تو وہ دوڑے ہوئے آئے۔ 'دکچھ' کو مار ڈالا اور مہمانوں کو ٹھوک پیٹ کر نکال دیا۔ بے چارہ "یگیہ" ہرن کا روپ لے کر بھاگا اور شوجی تیر کمان لیے اس کے پیچھے دوڑے۔

(۲) بیاتی اور سرمشٹھا کا سورما بیٹا جو بڑا نامی گرامی راجا ہوا ہی۔

(۳) روایت ہو کہ کسی زمانے میں جب 'سند' اور 'اپسند' نامی دو راکشسوں نے دیوتاؤں کو دق کر ڈالا تو برھما نے اُنھیں فنا کرنے کے لیے ایک عورت پیدا کی جس کا نام 'تلوتما' تھا۔ کہتے ہیں کہ آج تک ایسی حسین عورت پیدا نہیں ہوئی۔ اسے لچھمی کا پہلا اوتار بھی سمجھا جاتا ہی۔

(۴) ہندوؤں کے قدیم قانون کے مطابق ہر قسم کی پیداوار کے چھٹے حصے پر

راجا کا حق سمجھا جاتا تھا۔

(۵)۔ کسی زمانے میں 'بلی' نام کا راجا تھا جس نے دیوتاؤں کی زندگی دوبھر کردی تھی۔ جب اس کا ظلم حد کو پہنچ گیا تو وشنو بھگوان نے اُسے سزا دینے کا تہیّہ کیا۔ 'بلی' کو اپنی سخاوت پر ناز تھا۔ اُس کے دروازے سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا۔ وشنو نے ایک بونے (وامن) کا بھیس لیا اور اس سے تین ڈگ بھر زمین کا سوال کیا۔ 'بلی' نے ہامی بھردی تو وشنو نے ایک ڈگ میں دھرتی کو اور دوسرے میں آکاش کو اور تیسرے میں پاتال کو ناپ ڈالا اور اس کے بعد 'بلی' کا ٹھکانا کہیں نہ رہا۔ آکاش کو ناپتے وقت اپنا ڈگ 'سُمیر' پہاڑ پر رکھا جہاں سے چاند نکلتا ہے۔

(۶)۔ یُرُد کے والدین ییاتی اور شرمِشٹھا کی محبت پُرانے زمانے میں بہت مشہور تھی۔

(۷)۔ قدیم ہندو نظام زندگی کے مطابق گِرہست (دُنیادار) کو لازم تھا کہ ایک خاص عمر پر پہنچ کر دُنیا تج دے اور جنگل میں بیٹھ کر پوجا پاٹ میں اپنی آخری زندگی گزارے۔

(۸)۔ پُرانوں کا کہنا ہے کہ زمین کا سارا بوجھ ناگوں کے راجا کے سر پر رکھا ہُوا ہے۔ اس کا نام شیش ناگ ہے اور اس کے پھنوں کی تعداد ایک ہزار ہے۔ وشنو بھگوان اس پر آرام فرماتے ہیں۔
عوام کا خیال ہے کہ جب شیش ناگ اپنے سر کو جُنبش دیتے ہیں تو زلزلہ آتا ہے۔

(۹) 'ہرنیہ کشیپ' نامی راکشش کو شِوجی کی دُعا تھی کہ وہ کسی انسان

ہتیار یا بیماری سے نہیں مر سکتا۔ اس نے دیوتاؤں کو بُری طرح تنگ کیا مگر اسی کا بیٹا 'پرہلاد' اس سے باغی ہو گیا اور اسے بھگوان ماننے سے انکار کر دیا۔ جب 'ہرنیہ کشیپ' نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو وشنو بھگوان ایک عجیب الخلقت جانور کا روپ لے کر آئے اور اپنے ناخونوں سے پیٹ چاک کر کے اُسے مار ڈالا۔ اس طریقے سے شیوجی کی دُعا بھی نہ ٹوٹی اور وہ مار بھی دیا گیا۔

(۱۰) سرگ (جنّت) کا ایک پیڑ جسے 'شجرِ تمنّا' کہنا چاہیے۔ اس کے نیچے جا کر جو مانگیے اسی وقت مل جاتا ہو۔

(۱۱) دیکھیے — پانچواں نوٹ۔

(۱۲) ہندو تمثیل نگاری کے موجد 'بھرت' رِشی مانے جاتے ہیں۔ اور 'ناٹک شاستر' ان سے ہی منسوب کیا جاتا ہو۔ چنانچہ سنسکرت کا ہر تمثیل نگار ان کے نام کے ساتھ کتاب ختم کرتا ہو۔

شکنتلا

ترجمہ

تمہید

حمد

[ایک برہمن اسٹیج پر آکر حمد گاتا ہو]

ایشور تمہاری نگہ بانی کرے — وہ ایشور جس کی آٹھ صفات پردۂ شہود میں آئیں — خالق کی پہلی تخلیق یعنی وہ جو قربانی کی آگ کو جلاتی ہو (آگ)، وہ جو قربانی کرتا ہو (برہمن) وہ دونوں جو زمانے کا تعین کرتے ہیں (سورج اور چاند)، وہ جو کائنات پر چھایا ہوا ہو اور سامعہ جس کی خصوصیت ہو (آکاش)، وہ جو رزق پہنچاتی ہو (زمین)، وہ جو جانداروں میں جان پھونکتی ہو (ہوا) — ان آٹھوں صفاتوں کی مخزن وہ ذات پاک تمہاری حافظ و ناصر ہو۔

[سوتر دھار (ادا آموز) آتا ہو]

سوتر دھار (باہر دیکھ کر)

اجی! سنگار کر چکی ہو تو ٹک ادھر بھی آؤ۔

نٹی ۔ (داخل ہوکر) لیجیے، بندی حاضر ہے۔
سوتر دھار ۔ یہ پنڈتوں کی سبھا ہے۔ آج ہمیں ایک نیا تماشا دکھانا ہے جس
کا نام 'شکنتلا' ہے۔ اسے کالی داس نے لکھا ہے۔ اداکاری پر خاص
توجہ ہونی چاہیے۔
نٹی ۔ آپ کی دیکھ ریکھ کے بعد کسی بھول چوک کا کھٹکا ہی نہیں رہتا۔
سوتر دھار ۔ بھئی، اسے کیا کروں کہ فن کار کو خود اپنے کمال پر بھروسا
نہیں ہوتا۔ جب تک دیکھنے والوں کی زبان سے واہ نہ نکل جائے،
بات ہی کیا ہوئی۔
نٹی ۔ ٹھیک ہے۔ یہ فرمائیے کہ اس وقت کیا کرنا ہے۔
سوتر دھار ۔ مناسب تو یہ ہے کہ کوئی وقت کی چیز سُنا کر اس مجلس کو گرمادو۔
نٹی ۔ کس رُت کا گیت سُناؤں۔
سوتر دھار ۔ گرمی ابھی شروع ہوئی ہے اور کچھ ایسی تکلیف دہ بھی نہیں
ہے۔ میری رائے میں تو اسی رُت کا راگ چھیڑ دو۔ آج کل شام کا
وقت کتنا سُہانا ہوجاتا ہے جب پانی میں ڈبکی لگانے سے تسکین
ہوتی ہے۔ جنگل کی ہوا پھولوں میں لوٹ پوٹ کر دلارام ہوجاتی ہے
اور گھنی چھاؤں میں فوراً نیند آجاتی ہے۔
نٹی ۔ سچ ہے (گاتی ہے) :-
'سرس کے پھولوں کو بہت نزاکت سے توڑ کر
سُندر ناریاں کانوں کے لیے جھومر بنا رہی ہیں
ان کے زرتار کتنے حسین ہیں
اور انھیں بھونروں نے ابھی چوما ہے'

سوتر دھار۔ بہت خوب۔ تمہاری تان نے ایسا سماں باندھا کہ تمام
مجلس پیکرِ تصویر بن کر رہ گئی۔ اب یہ بتاؤ کہ آج ہمیں کون سا
تماشا دکھانا ہے۔

نٹی۔ بھئی واہ۔ حضرت، آپ نے تو پہلے ہی اعلان کیا تھا کہ آج شکنتلا
نامی ناٹک کی لیلا کرنا ہے۔

سوتر دھار۔ یاد آیا۔ پل بھر کے لیے میں سُدھ بُدھ بھول گیا تھا۔ گیت
کی دُھن میرے خیال کو اُسی طرح کھینچ لے گئی جیسے راجا دُشینت
کو یہ ہرن کھینچ لایا ہے۔

(دونوں چلے جاتے ہیں۔)

ڈراپ

پہلا ایکٹ

مقام ـــ جنگل-

[ایک ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے تیر کمان ہاتھ میں لیے راجا اور رتھ بان رتھ میں بیٹھے نظر آتے ہیں]

رتھ بان - عمرت دراز-
جب میری نظر ہرن پر اور آپ کے چڑھے ہوئے چلّوں پر پڑتی ہو تو بس یہ لگتا ہو کہ خود شو جی اس کا پیچھا کر رہے ہیں-[1]

راجا - بھئی، یہ ہرن ہمیں کہاں سے کہاں لے آیا- اور اب بھی دیکھو کس مزے میں مڑمڑ کر ہمارے رتھ کو کن انکھیوں سے تاکتا جاتا ہو- تیر لگنے کے ڈر سے دھڑ کے پچھلے حصّے کو کبھی کبھی اگلے حصّے میں سکوڑ لیتا ہو- اس کے نقشِ قدم پر ادھ چبی گھاس کے تنکے بکھرے ہوئے ہیں کیونکہ اس کا منہ تھکن کے مارے کھلا ہوا ہو- اور ان برق رفتار چوکڑیوں کو تو دیکھو- یہ نہیں لگتا کہ وہ زمین پر ہو- یہی گمان ہوتا ہو کہ ہوا میں اُڑ رہا ہو- حالانکہ میں برابر اس کا پیچھا کر رہا ہوں، پھر بھی وہ کتنا آنکھ سے اوجھل ہو گیا ہو!

رتھ بان - مہاراج، یہاں تک زمین اتنی ناہموار تھی کہ مجھے روک روک کر رتھ چلانا پڑا اور ہرن آگے نکل گیا- لیکن اب سپاٹ میدان

---

[1] پُرانک تلمیحات-

آگیا تو یہ بچ کر کہاں جاتا ہی۔
راجا ۔ تو اب گھوڑوں کی راس چھوڑ دو۔
رتھ بان ۔ بہت خوب (تیزی سے رتھ چلاتے ہوئے) سرکار دیکھیے دیکھیے
راس ڈھیلی ہوتے ہی یہ گھوڑے کنوتی دبا کر یوں لپک
رہے ہیں گویا اس ہرن کی تیزی سے خار کھا گئے ہوں ۔ ہوا آگے
بہ بہی ہو مگر کھُر سے اُڑی ہوئی دھول اُن کے پلّے نہیں لگ سکتی۔
اُن کے جسم کے اگلے حصے آگے کھنچ گئے ہیں ۔ کلغی بے حرکت ہوگئی ہو
اور کان تن کر کھڑے ہو گئے ہیں ۔
راجا ۔ سچ تو یہ ہو کہ انھوں نے اِندر اور سورج دیوتا کے گھوڑوں کو
بھی مات کر دیا ۔ رتھ کی تیزی کا یہ عالم ہو کہ جو چیزیں دیکھنے میں
پہلے چھوٹی معلوم ہوتی تھیں، وہ یک بیک بڑی ہوگئیں ۔ جو بکھری
ہوئی تھیں وہ ایک آن میں سمٹ گئیں ۔ جو قدرتاً خم دار تھیں وہ
چشم زدن میں ہموار ہوگئیں ۔ گویا قربت اور فاصلے میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔
لو، اسے مرتے ہوئے بھی دیکھ لو ۔
(چلّہ چڑھاتا ہو)
(پسِ پردہ) ۔ مہاراج یہ آشرم کا ہرن ہو ۔ اسے نہ ماریے ۔
رتھ بان (کان لگائے، آنکھیں گاڑے)
حضور، تیر کی زد اور ہرن کے درمیان سادھو آ گئے ہیں ۔
راجا (جلدی سے) ۔ تو پھر گھوڑوں کو روک لو۔
رتھ بان ۔ بہت خوب (رتھ کو ٹھیرا لیتا ہو)
(ایک سادھو چیلوں کے ساتھ آتا ہو)

سادھو۔ (ہاتھ اوپر اُٹھاکر)
مہاراج، یہ آشرم کا ہرن کُشتنی نہیں ہو۔ یہ تیر ہرن کے نازک جسم
میں چبھنے کے لیے نہیں۔ یہ آگ پھولوں کی ڈھیری پر رکھنے کے
لیے نہیں۔ کہاں ہرنوں کی ننھّی مُنّی جان اور کہاں تمہارے ناوک
جو تلوار کی مانند تیز اور کوندے کی مانند تند ہیں۔
تو پھر بندہ پرور اس تیر کو ترکش میں رکھیے، کیونکہ یہ معصوموں
کی جان لینے کے لیے نہیں بلکہ ان کی جان بچانے کے لیے ہو۔
راجا۔ اچھّا، لیجیے، یہ چلّہ اُتر گیا۔
(تیر نکال لیتا ہو)
سادھو۔ پُرو[1] کے گھرانے کے چشم و چراغ، یہی تیری شان کے شایاں ہو۔
بھگوان کرے تو ایسے بیٹے کا باپ ہو جو راجاؤں کا راجا ہو۔
راجا (ہاتھ جوڑ کر) آمین۔
سادھو۔ راجا، ہم تو ایندھن جمع کرنے جاتے ہیں۔ وہ دیکھیے مالنی ندی
کے کنارے ہمارے گرُو کنو رِشی کا آشرم ہو۔ اگر ہرج نہ ہو تو
وہاں چلیے اور ہمیں میزبانی کا شرف بخشیے۔
چلّے کی ڈوری سے آپ کے جن بازوؤں پر نشان بن گئے ہیں،
اُس کا دائرۂ پناہ کتنا وسیع ہو۔ اس کا اندازہ اُس وقت ہوگا جب
آپ اپنی آنکھوں سے سادھوؤں کو بے خوف و خطر پوجا پاٹھ کرتے
دیکھیں گے۔
راجا۔ کیا آپ کے گرُو وہیں ہیں؟

---

[1] پرانک تلمیحات - ۲

سادھو۔ اپنی بیٹی شکنتلا کو مہمانوں کی آؤ بھگت کی ہدایت کرکے وہ ابھی
سوم تیرتھ اس غرض سے گئے ہیں کہ اس پر آنے والی ایک بپتا کی
روک تھام کے لیے منّت مانیں۔
راجا۔ خیر، میں شکنتلا ہی سے مل لیتا ہوں۔ میری بھگتی کا سندیسہ وہ
اپنے بابا کو سنا ہی دیں گی۔
سادھو۔ یہی کیجیے۔ اب ہم لوگ جاتے ہیں۔

(چیلوں کے ساتھ جاتا ہے)

راجا۔ رتھ بان، گھوڑوں کو ہانکو۔ اس مقدس آشرم کو ایک نظر دیکھ کر
ہم اپنے پاپ دھولیں۔
رتھ بان۔ بہت خوب (رتھ چلاتا ہے)
راجا۔ کسی نے بتایا نہیں، تاہم یہ مقام تپ بن[۱۵] کا ڈانڈا معلوم ہوتا ہے۔
رتھ بان۔ یہ کیونکر؟
راجا۔ کیوں، کیا دکھائی نہیں دیتا؟
اِدھر اُدھر وہ بالیں بکھری پڑی ہیں جو ٹُنگوں کے موکھوں سے نیچے
ٹپک پڑی ہیں۔ سلوں کی چکناہٹ صاف بتا رہی ہے کہ ان پر انگنگی
کے پھل توڑے جاتے ہیں۔ ہرن آدمیوں سے اتنے ہل گئے ہیں
کہ رتھ کی گھڑگھڑاہٹ کا ان پر مطلق اثر نہیں اور وہ ذرا نہیں بدکتے۔
پگ ڈنڈیوں سے لے کر ندی تک گیلے کپڑوں سے ٹپکی ہوئی بوندوں
نے لکیر سی کھینچ دی ہے۔ ہوا کے جھلورے ہوئے پانی سے ندی کنارے
کے پیڑوں کی جڑ دھل دھل کر سفید ہو گئی ہے اور قربان گاہوں کے

---

۱۵ تپ بن ۔ اس جنگل کو کہتے تھے جو تپ جپ کے لیے مخصوص ہو۔

دھنوئیں نے پتیوں کا رنگ بدل دیا ہے۔ ہرنوں کے بچے پھلواری میں ہولے ہولے چر رہے ہیں کہ کہیں اُگتے ہوئے پودوں کو نہ کچل دیں۔

رتھ بان ۔ بالکل درست، اب میں بھی تپ بن کو پہچان گیا۔

راجا (تھوڑی دُور جاکر) کہیں آشرم والوں کا کچھ ہرج نہ ہو۔ رتھ روک لو تو میں یہیں اُتر جاؤں۔

رتھ بان ۔ لیجیے، میں نے باگ کھینچ لی۔ اب آپ اُتر جائیں۔

راجا ۔ (اُتر کر) رتھ بان، آشرم میں قدم رکھتے وقت تن پر سادہ لباس ہونا چاہیے۔ اس لیے تم ان چیزوں کو سنبھالو۔ (جواہرات اور تیر کمان دے کر) جب تک میں آشرم سے لوٹوں تم گھوڑوں کی پیٹھ ٹھنڈی کر لو۔

رتھ بان ۔ بہت خوب۔ (باہر جاتا ہے)

راجا ۔ (راستہ ڈھونڈتے ہوئے) یہ رہا آشرم کا دروازہ یہیں سے اندر چلوں۔ (داخل ہوتے ہوئے شگون دیکھ کر)

یہ آشرم تو تپ جپ کا گھر ہے، پھر بھلا میری داہنی بانہہ کیوں پھڑک رہی ہے؟ یہاں اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟

لیکن یہ شبہ ہے۔ قسمت کے دروازے ہر جگہ کھل سکتے ہیں۔

(پس پردہ) سکھیو، اِدھر اِدھر۔

راجا ۔ پیڑوں کے اس جھرمٹ کے پیچھے باتوں کی آواز کیسی آرہی ہے! ذرا دیکھوں تو سہی۔

(اُدھر جاکر دیکھتے ہوئے)۔ اوہو! یہ تو آشرم کی کنواریاں ہیں جو پیڑ پودوں کو پانی دینے کے لیے اپنے اپنے ڈیل کے جوگ گھڑے

چھوٹی کوئی بڑی گگری لیے، اسی طرف آ رہی ہے۔
(غور سے دیکھ کر) کیسا بانکا رنگ روپ پایا ہے۔ اگر ایسا
انوکھا روپ جو شاہی حرم میں بھی نایاب ہے، آشرم میں نظر آسکتا
ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ چمن کی بیلیں جنگلی بیلوں سے آنکھ نہیں ملا سکتیں۔
اب میں اس پیڑ کی آڑ میں دبک جاؤں۔ (چھپ جاتا ہے)
(شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ پانی دیتی ہوئی آتی ہے)

شکنتلا۔ بہنو، اِدھر اِدھر۔

انسویا۔ پیاری شکنتلا۔ یہ پودے کنو بابا کو تجھ سے بھی زیادہ محبوب ہیں،
ورنہ وہ تجھ جیسی گُل اندام سے ان کے تھملوں میں پانی دینے کی
فرمایش کیوں کرتے۔

شکُنتلا۔ صرف باباجی کے ارشاد کا پاس نہیں، بلکہ مجھے ان سے بہنا پے
کا ناتا بھی ہے۔

راجا۔ (خود) ایں، کیا یہی کنو کی بیٹی ہے؟ اس زاہد خشک کی سوجھ دیکھو
کہ ایسی نازک بدن سے آشرم کی زندگی بسر کراتا ہے۔ اس البیلی سے
تپ جپ کرانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ببول کی ڈال کو کنول کی پنکھڑی
سے کاٹنے لگے!

میں اس جھاڑی کی اوٹ سے اس اَن جانی کو بخوبی دیکھ سکتا ہوں۔
(ٹک ٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے)

شکنتلا۔ (رُک کر)۔ بہن انسویا، پریمودا نے چولی کا بند اس قدر کس دیا
کہ دَم گھُٹ رہا ہے۔ ذرا اسے ڈھیلی تو کر دینا۔

انسویا۔ اچھا (ڈھیلا کرتی ہے)

پریمودا۔ اری ہو، اپنی جوانی کو نہیں کہتیں جو تمھارے جوبن کو
اُبھار رہی ہو۔
راجا۔ (خود)۔ واقعی یہ چھال اِس دھان پان کے لیے ناموزوں ہو۔
کاندھے پر بندھے ہوئے اور جوبنوں کو جکڑے ہوئے چھال
کے برن میں اس کا کھلتا ہوا بدن ویسا ہی بے بس ہو جیسے سوکھی
پتیوں میں ڈھنکا ہوا پھول۔
مگر حُسن خداداد کو بناؤ سنگار کی پروا ہی کیا۔ چاند کے جمال کو
اُس کا سیاہ داغ رونق بخشتا ہو۔ کنول کیچ میں لپٹ کر بھی ہزار
حسینوں کا ایک حسین رہتا ہو۔
یہ سرو قد چھال کے کپڑوں میں بھی بھلی لگتی ہو، کیونکہ حسن کے
لیے کون سی شے باعثِ زیب نہیں ہو۔
شکنتلا۔ جب ہوا سے مولسری کی ٹہنیاں ہلتی ہیں تو ایسا لگتا ہو کہ وہ
ہاتھ ہلا کر مجھے بُلا رہا ہو۔ جاؤں اُس کے پاس۔ (اُدھر جاتی ہو)
پریمودا۔ میں واری، پل بھر تم وہیں کھڑی رہو، کیونکہ تمھاری قربت پر یہ
گمان ہوتا ہو کہ اس مولسری کو دل لگانے کے لیے ایک بیل مل گئی ہو۔
شکنتلا۔ اسی لیے تمھیں پریمودا (شیریں کلام) کہتے ہیں۔
راجا۔ (خود)۔ پریمودا نے شکنتلا سے بات پیاری کہی اور سچ بھی ہو کیونکہ
اس کے لب اسی بیل کی نئی کونپلوں کی طرح تازہ ہیں۔ بازو لچیلی
شاخوں کی طرح نازک ہیں اور جسم میں جوانی پھول کی طرح کھِل رہی ہو۔
انسویا۔ پیاری شکنتلا، کیا تم اُس چمیلی کو بھول گئیں جس نے آم کے اس
پیڑ سے خود ہی بیاہ کر لیا تھا اور تم نے اس کا نام 'بن جوت' رکھا تھا۔

شکنتلا۔ اُسے تو تبھی بھولوں گی جب خود کو بھول جاؤں۔
(چمبیلی کی بیل کے پاس جاکر)۔ جانی! کیسی سُہانی گھڑی میں اس پیڑ اور بیل کا سنجوگ ہُوا ہو۔ بیل کے پھول کہ رہے ہیں کہ شباب کی آمد آمد ہو اور آم کی ٹہنیاں بتارہی ہیں کہ وہ جوانی میں بھرپور ہو۔
پرمیودا۔ انسویا، جانتی ہو، شکنتلا کیوں اس چاؤ سے بیل کو تک رہی ہو؟
انسویا۔ بھلا میں کیا جانوں، تمھیں بتاؤ۔
پرمیودا۔ وہ جی میں سوچ رہی ہو کہ اس بیل کو جیسا من بھاتا پیڑ مل گیا کاش ایسا ہی پیارا دولھا مجھے بھی مل جائے۔
شکنتلا۔ کہ دیا اپنے دل کا حال۔ (گگری اُلٹتی ہو)
راجا۔ (خود) کہیں یہ کنورِشی کی دوسری ذات کی بیوی سے نہ ہو۔ اجی چھوڑو اِن وسوسوں کو۔ بلاشبہ وہ چھتری سے بیاہی جاسکتی ہو کیونکہ میرا دل خود بخود اس کی طرف مائل ہو گیا ہو۔ مشتبہ معاملوں میں نیکوں کا ضمیر ہمیشہ راستی کی طرف جاتا ہو۔
پھر بھی اس کے حال چال کا ٹھیک ٹھیک پتا لگانا ہو۔
شکنتلا۔ (سہم کر) اِی ہی! پانی کا چھینٹا جو پڑا تو ایک بھونرا چمبیلی کو چھوڑ کر میرے مُنہ پر جھپٹ پڑا۔
راجا۔ (حسرت سے دیکھتے ہوئے)۔ بھونرے! ہم جس کی جستجو میں پریشان تھے، اُسے تو ہی نے پایا۔
تو بار بار اُن چنچل نینوں کو چھو لیتا ہو جن کی پلکیں تھرتھرا رہی ہیں۔ اس کے کانوں کے آس پاس تو اس طرح منڈلا رہا ہو گویا چپکے چپکے کوئی راز بیان کر رہا ہو۔ وہ تو اپنے ہاتھ ہلا رہی ہو لیکن تو ہو کہ اُس کے

ہونٹوں کا رس پی رہا ہے۔ ارے یہی رس تو جانِ آرزو ہے۔

شکنتلا ۔ یہ ڈھیٹ بھونرا کسی طرح باز نہیں آتا۔ میں ہی یہاں سے ٹل جاؤں۔
(الگ ہٹ کر، دائیں بائیں دیکھتے ہوئے) ۔ لو، یہ کل مُنہا ادھر بھی آ پہنچا۔ للّٰہ مجھے بچاؤ۔ اس بیہودہ نے مجھے ہلکان کر دیا۔

دونوں سکھیاں ــــــ (ہنس کر) ہم کون ہیں بچانے والے۔ دُشینت کی دوہائی دو۔ نِپ بن کا رکھوالا تو راجا ہوتا ہے۔

راجا ۔ (خود) اپنے کو ظاہر کرنے کا یہی موقع ہے۔ ڈرئیے نہیں (کہتے کہتے رُک کر) لیکن میرا بھرم کُھل جائے گا۔ خیر پھر یوں کیوں نہ کہوں۔

شکنتلا ۔ (ہٹ کر اور منہ پھیر کر)۔ اوئی، یہ کمبخت تو یہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

راجا ۔ (جھٹ آگے بڑھ کر) یہ کون ہے جو بھولی بھالی رشی کماریوں سے چھیڑ خانی کر رہا ہے۔ کیا اُسے معلوم نہیں کہ پُرو کا ایک نام لیوا نا ہنجاروں کا بیری دُنیا پر راج کرتا ہے؟

انسویا ۔ صاحب کس کا دیدہ ہے کہ یہاں آکر چھیڑ چھاڑ کرے۔ ہماری سہیلی کو ایک بھونرے نے اتنا دِق کیا کہ وہ بے چاری تنگ آگئی۔
(شکنتلا کی طرف اشارہ کرتی ہے)

راجا ۔ (شکنتلا کے سامنے آکر) آپ کی تپشیا کا کیا حال ہے؟
(شکنتلا حیا کے مارے پیکرِ تصویر بنی ہوئی ہے)

انسویا ۔ آپ جیسے مہمانوں کی آؤ بھگت بھی تو تپشیا ہی ہے۔ شکنتلا کُٹیا جاکر پوجا کا سامان تو لے آؤ۔ پھل پھول لانا نہ بھولنا۔ پانو دھونے کے لیے یہ پانی کافی ہے۔

راجا۔آپ کے میٹھے بول میری تواضع کے لیے بہت ہیں۔
پریمودا۔اس پیڑ کی ٹھنڈی چھاؤں میں دم بھر بیٹھ کر پسینہ ہی خشک کر لیجیے۔
راجا۔ظاہر ہے کہ آپ سب بھی اس کام سے تھک گئی ہوں گی۔
انسویا۔شکنتلا، ہمیں مہمان کے پاس بیٹھنا چاہیے۔ آؤ بیٹھ جائیں۔
(تینوں بیٹھ جاتی ہیں)۔
شکنتلا۔(خود) کیا بات ہے کہ اس اجنبی کو دیکھ کر میں ایک ایسے جذبے سے مغلوب ہوئی جا رہی ہوں جو اِس تپ بن کے لیے ناروا ہے۔
راجا۔(سب کی طرف دیکھ کر)۔آپ تینوں میتوں کو دیکھ کر آنکھوں کو پریت ہوتی ہے کہ سب کی عمریں برابر اور رنگ روپ ایک جیسا ہے۔
پریمودا۔(علیحدہ) انسویا، اس کی باتوں میں کیسا رس ہے اور کتنا سجیلا اور بانکا ہے یہ۔ آخر یہ ہے کون۔
انسویا۔سکھی، میں بھی اسی سوچ میں ہوں۔ اچھا، میں اسی سے پوچھتی ہوں۔
(بآواز) جناب کی خوش اخلاقی میرا حیاؤ بڑھاتی ہے۔ یہ جاننے کو جی چاہتا ہے کہ آپ کس راج بنس کے سردار ہیں؟ کس دیس کو جُدائی کا داغ دے کر آپ یہاں آئے ہیں؟ اس تپ بن تک آنے کی زحمت آپ نے کس غرض سے گوارا کی ہے؟
شکنتلا۔(خود) ارے دل بے قرار نہ ہو۔ لے انسویا نے تیری ہی کہہ دی
راجا۔(خود) بنا اپنا بھرم کھوئے میں کس ڈھنگ سے تعارف کراؤں۔۔۔ اچھا، یہ کہوں گا۔
(بآواز)۔پُرو بنسی راجا نے مجھے دھرم کاج کی رکھوالی پر مامور کیا ہے۔

اس آشرم تک میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ تپ جپ میں کوئی رکاوٹ
تو نہیں ہوتی۔

انسویا۔ تو یہ کہیے کہ ہمیں ایک پاسبان مل گیا۔

(شکنتلا پریم لاج سے گڑی جا رہی ہے)

سکھیاں (اُس کی حالت کو تاڑ کر۔ علیحدہ) ۔شکنتلا، اگر باباجی
آج ہی لوٹ آئیں۔

شکنتلا۔ تو کیا ہوگا؟

دونوں۔ ہوگا کیا؟ ایسے انوکھے مہمان کو وہ اپنی پیاری سے پیاری
متاع بھی بخوشی نذر کر دیں گے۔

شکنتلا۔ چلو ہٹو بھی! تمھارے دل میں بدی ہے، اسی لیے چھیڑ چھاڑ کر رہی ہو۔
میں تمہاری بات ہی نہیں سُنتی۔

راجا۔ اب مجھے بھی اپنی سکھی کے متعلق کچھ پوچھنے کی اجازت دیجیے۔

سکھیاں۔ یہ تو عین ذرہ نوازی ہے۔

راجا۔ مشہور تو یہ ہے کہ کنو رشی سدا کنوارے ہیں۔ پھر آپ کی سہیلی ان
کی بیٹی کیوں کر ہوئیں۔

انسویا۔ سُنیے۔ ایک مہارشی کوشک گھرانے میں ہوئے ہیں۔ جن کا نام وشوامتر ہے

راجا۔ میں نے بھی ان کا نام سُنا ہے۔

انسویا۔ ہماری پیاری سکھی دراصل ان کی بیٹی ہے۔ کنو اس معنی میں اس کے
باپ ہیں کہ اُنھیں یہ پڑی ہوئی ملی تھی۔ وہ اُسے اُٹھا لائے اور
پال پوس کر بڑا کیا۔

راجا۔ پڑی ہوئی ملی تھی! یہ سُن کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔ کیا آپ شروع سے

یہ قصّہ نہ سنائیں گی ؟

النسویا۔ اچھا سُنیے۔ کسی زمانے میں جب اِن مہارشی نے بڑا کڑا جوگ سادھا تھا تو دیوتاؤں کا آسن ڈگمگایا اور اُنھوں نے تپ توڑنے کے لیے مینکا[۱] نامی پری کو بھیجا۔

راجا۔ دیوتاؤں کو دوسروں کی ریاضت کا کھٹکا ہمیشہ ہی لگا رہتا ہے۔

النسویا۔ بسنت رُت اور اُس حور کی جنوں نواز ادائیں! اسے دیکھ کر ——

(اتنا کہہ کر شرم کے مارے چپ ہو جاتی ہے)

راجا۔ انجام کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے، تو یہ کہیے کہ یہ پری زاد ہیں۔

النسویا۔ اور کیا۔

راجا۔ یہ حسن انسان زادیوں میں ناپید بھی ہے۔ جوت سے جگمگاتی ہوئی بجلی دھرتی میں سے کیوں کر نکل سکتی ہے۔

(شکنتلا شرم کے مارے کٹی جا رہی ہے)

راجا۔ (خود) شجرِ تمنا میں پھل آنے لگے۔

پرمیودا۔ (مسکراتی ہوئی پہلے شکنتلا اور پھر راجا کو دیکھ کر)۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ پھر کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔

(شکنتلا انگلی دکھا کر سہیلی کو تنبیہ کرتی ہے)

راجا۔ آپ نے خوب بھانپا۔ پوری کہانی سننے کی سادھ ابھی باقی ہے، اس لیے کچھ اور پوچھوں گا۔

پرمیودا۔ تکلّف نہ کیجیے۔ سادھوؤں سے جو جی چاہے پوچھیے۔

---

[۱] اپسرا۔ حور سے ملتی جلتی ایک جنس۔

راجا۔ میں آپ کی سکھی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان کا بیراگ کب تک کے لیے ہو۔ صرف شادی تک ہو۔ یا یہ مرگ نینی جو ہرنیوں کی پیاری ہو، سدا اُنھیں کے بیچ رہے گی۔

پریمودا۔ صاحب، ابھی تو جپ تپ میں بھی یہ پرائے بس میں ہو۔ مگر یہ ضرور ہو کہ اِس کے باپا کسی جوگ برسے اس کا بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔

راجا۔ (خود)۔ پھر میری آرزو عبث نہیں۔ دل دیوانہ! اب تو آس رکھ تیرے وسوسے غلط ثابت ہوئے۔ جسے تو آگ کی چنگاری سمجھتا تھا وہ تو ایسا رتن نکلا جسے تو گلے میں ڈال سکتا ہو۔

شکنتلا۔ (بگڑ کر)۔ انسویا، میں جاتی ہوں۔

انسویا۔ کیوں؟

شکنتلا۔ میں اس چرب زبان پریمودا کی شکایت گوتمی مائی سے کروں گی۔

انسویا۔ اچھی، ایسے بھلے مانس مہمان کی بات پوچھے بنا اُٹھ کر چلے جانا نامناسب ہو۔

راجا۔ (اُس کا دامن پکڑتے پکڑتے رہ جاتا ہو۔ خود)۔ اُف، اوہ، پریمیوں کے من کا بھید ان کے من چلے پن سے کھلتا ہو۔ اِس رشی کماری کو میں روکنا ہی چاہتا تھا کہ ادب نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ مگر عجب بات ہو کہ میں نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی اور محسوس ہونے لگا کہ میں گیا بھی اور لوٹ بھی آیا۔

پریمودا۔ (شکنتلا کو پکڑ کر) سکھی پیاری، یوں نہ جانے پاؤ گی۔

شکنتلا۔ (چیں بجبیں ہو کر)۔ کیوں نہ جاؤں؟

پریمودا۔ میں نے تمھارے بدلے دو پیڑوں کو پانی دیا تھا۔ پہلے اس قرض

کو چکاؤ، پھر جاؤ۔
(زبردستی روک لیتی ہے)۔
راجا۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔ ان کا کومل گات تو اپنے ہی حصّے کے کام سے نڈھال ہو چکا ہے۔ دیکھیے نا، گگری اُٹھانے سے ان کے کاندھے ڈھل گئے ہیں اور ہتھیلی لال گُلال ہو گئی ہے۔ کانوں میں سرس کے پھولوں کے جو جھُومر پڑے ہیں وہ پسینے کے تار سے چپک گئے ہیں۔ زور زور سے سانس لینے کی وجہ سے دل اب بھی دھڑک رہا ہے۔ جوڑا کھل گیا ہے اور ایک ہاتھ سے سنبھالنے کے باوجود بال کھُل کر پریشان ہو گئے ہیں۔ لیجیے، میں ان کا قرض بے باق کرتا ہوں۔
(اپنی انگوٹھی دیتا ہے۔ نگینے پر کندہ نام کو پڑھ کر دونوں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتی ہیں)
راجا۔ آپ نے کیا سمجھا۔ اجی یہ راجا کی دین ہے۔
پرمبودا۔ پھر اسے اُنگلی سے الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرض چُکانے کے لیے آپ کا اتنا کہہ دینا کیا کم ہے۔
(شکنتلا سے۔ ہنس کر)۔ ہمارے مہمان یا مہاراجا، جو کہہ لو۔ ان کی مہربانی سے تم آزاد کی جاتی ہو۔ اب تم جا سکتی ہو۔
شکنتلا۔ (خود) کاش میں اپنے آپ پر قابو رکھ سکوں۔
(بآواز) تم کسی کو روکنے یا چھوڑنے والی ہوتی کون ہو۔
راجا۔ (ایک نظر شکنتلا کو دیکھ کر۔ خود)۔
کیا یہ بھی میری طرف اسی طرح مائل ہے جس طرح میں اس کی طرف؟ کیا میری دُعا نے اثر کیا؟ گو وہ مجھ سے مخاطب نہیں ہوتی لیکن جب

کچھ کہتا ہوں تو توجہ سے سُنتی ہے۔ وہ میری طرف نہیں دیکھتی تو کیا ہوا
وہ آنکھ بھر کر اور کسی کو بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔

(دُور سے آواز آتی ہے)

ارے او جوگیو! تپ بن کے جانوروں کی حفاظت کا دھیان
رکھنا۔ راجا دشینت شکار کھیلتے کھیلتے کہیں قریب ہی آئے ہیں۔ دیکھو۔
گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُڑائے ہوئے خاک کے ذرّے جانہار سورج
کا رنگ لے کر جب آشرم کے پیڑوں پر بیٹھنے لگتے ہیں تو ایسا لگتا ہے
کہ ٹڈّی دل نے دھاوا بول دیا ہے۔
اور اس ہاتھی کو دیکھو جو رتھوں کی آواز سے گھبرا کر بوکھلایا
ہوا یوُں چلا آ رہا ہے گویا ہماری تپسّیا کو درہم برہم کرنے کے لیے
کوئی مجسّم بلا آ رہی ہو۔ ایک پیڑ کے تنے میں اُس نے اپنا دانت
گھسیڑ دیا ہے اور وہ کہیں سے بیلوں کو اپنے پاؤں میں پھنسا لایا ہے
جو جال کی طرح لپٹی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھو ہرن اس کے ڈر سے
بھاگے جا رہے ہیں۔

(سُن کر سب چونک پڑتے ہیں)۔

راجا۔ (خود)۔ لاحول ولا۔ لوگ میری تلاش میں اِس تپ بن کو سراسیمہ کیے
دے رہے ہیں۔ اب مجھے فوراً واپس جانا چاہیے۔

سکھیاں۔ اجی، اِس پاگل ہاتھی کی خبر سُن کر ہمارا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ اب
ہمیں اپنی کُٹی جانے کی اجازت دیجیے۔

راجا۔ (تیزی سے) ہاں آپ لوگ سدھاریں۔ میں بھی جا کر دیکھتا ہوں کہ
تپ بن کے امن میں کسی قسم کا خلل نہ ہو۔

(سب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

سکھیاں۔ سرکار، ہم آپ کی کوئی خاطر نہ کر سکے۔ یہ کہتے لاج آتی ہو کہ پھر کبھی درشن دینا۔

راجا۔ یہ نہ کہیے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی تھی کہ آپ کو دیکھ لیا۔

شکنتلا۔ (چلتے چلتے)۔ انسویا، میرے پیر میں ایک کانٹا چُبھ گیا ہو اور میرا دامن جھاڑی میں اُلجھ گیا ہو۔ زری ٹھیر جاؤ تو چھُڑا لوں۔

(اس بہانے سے راجا کو دیکھتی ہوئی آہستہ آہستہ اپنی سکھیوں کے ساتھ جانے لگتی ہو)۔

راجا۔ (سب کے جانے کے بعد) مجھے شہر جانے کی کوئی جلدی نہیں ہو۔ اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈوں اور یہ حکم دے دوں کہ اس آشرم کے پاس ہی ڈیرا ڈالیں۔

شکنتلا کے خیال کو میں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے دل سے دور نہیں کر سکتا۔ میری یہ حالت ہو کہ جسم تو آگے بڑھ رہا ہو لیکن دل بے قرار پیچھے بھاگ رہا ہو۔ ویسے ہی جیسے بادِ مخالف میں کسی جھنڈے کا ریشمی[1] پھریرا اُڑ رہا ہو۔ (چلا جاتا ہو)

ڈراپ

---

[1] اصل میں "چین آنشک" یعنی چین کا بنا ہوا ریشم ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس زمانے میں ہندستان اور چین میں تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

دوسرا ایکٹ

مقام — جنگل میں راجا کا ڈیرا

(خستہ حال مسخرا مادھو آتا ہے)۔

مادھو۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر)۔ ہائے بری قسمت! اس شکاری راجا کی دوستی نے تو کہیں کا نہ رکھا۔ یہ ہے ہرن، وہ ہے سؤر، یہ بھاگا شیر! اسی تگ و دو میں زندگی بنجارے کا چولھا بن کر رہ گئی۔ بھری دوپہر کو بن بن کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ پہاڑی جھرنوں کا کسیلا اور گدلا پانی پینا پڑتا ہے۔ وقت بے وقت کچّا پکّا گوشت کھانا پڑتا ہے۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے بند بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں تو راتوں کو کیا خاک نیند آئے۔ پھر نور کے تڑکے یہ حرام زادے چڑی مار جنگل میں ایسا ہانکا کرتے ہیں کہ آنکھ کھٹ سے کھل جاتی ہے۔

مگر مصیبت نے یہیں پیچھا نہ چھوڑا، مرے کو ماریں شاہ مدار! کل جو ہم بچھڑ گئے تو قسمت نے غضب ڈھا دیا۔ یعنی سرکار ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے ایک آشرم میں جا گھسے اور وہاں کسی سادھو کی لڑکی کو دیکھ لیا۔ اب حضرت کسی طرح شہر لوٹنے کا نام نہیں لیتے۔ اس سوچ میں مجھے رات رات بھر نیند نہیں آتی۔ کیا کیا جائے۔ حضور نہا دھو لیں تو میں سلام کو جاؤں۔

(ٹہلتے ہوئے، سامنے دیکھ کر)۔ لو، ہمارے مہربان ادھر ہی آرہے ہیں۔ بھیلنیں ہاتھ میں تیر کمان لیے گلے میں جنگلی پھولوں کے ہار ڈالے ان کے ساتھ ساتھ چلی آرہی ہیں۔ میں یوں بے حرکت کھڑا ہو جاؤں گویا مفلوج ہو گیا ہوں۔ چلو اسی بہانے تھوڑا سا آرام مل جائے۔

(ڈنڈے پر بھار دے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اتنے میں راجا حوالیوں کے ساتھ آتا ہے)

راجا۔ (خود)۔ یہ سچ ہے کہ میرا محبوب سہج میں نہیں مل سکتا۔ لیکن اس کی ادا سے محبت دل کو تسکین دیتی ہے۔ عشق اپنی منزل کو نہیں پہنچا تو کیا ہوا۔ دونوں طرف آگ لگی ہوئی ہو تب بھی مزہ ملتا ہے۔ (مسکرا کر) جب کسی کی کسی سے دل لگی ہو اور وہ اپنے حالِ دل سے دوسرے کے جذبات کا اندازہ لگانا چاہے تو یوں ہی دھوکا کھاتا ہے۔

نگاہ دوسری طرف ہونے کے باوجود ایک آدھ چتون کا ادھر بھٹک آنا، سرین کے بوجھل پن کی وجہ سے وہ آہستہ خرامی، سکھی کی اس التجا پر کہ "نہ جاؤ"، اسے جھڑک دینا، کیا یہ اٹھ کھیلیاں مجھے دکھانے کے لیے نہ تھیں؟ ...... توبہ عاشق بھی کتنا خود فریب ہوتا ہے!

مادھو۔ (اسی حالت میں) سرکار میرے ہاتھ پیر سُن ہو گئے ہیں۔ اس لیے ہاتھ اُٹھا کر آشیرباد[۵] نہیں دے سکتا۔

راجا۔ خیر تو ہے۔ تمھیں لقوہ کیسے ہو گیا۔

---

[۵] آشیرباد۔ دُعا۔

مادھو۔ چہ خوش آپ ہی نے آنکھوں میں کچو کا دیا اور پھر خود ہی پوچھتے
ہیں کہ آنسو کیوں آ گئے۔
راجا۔ تم تو پہیلی بجھا رہے ہو۔
مادھو۔ یہ فرمائیے کہ بید خود ٹیڑھی ہوتی ہے یا پانی کا دھارا اُس میں خم پیدا
کرتا ہے۔
راجا۔ ظاہر ہے کہ یہ پانی کے دھارے کا کام ہے۔
مادھو۔ بس، اسی طرح میرے مصائب کی علّت آپ کی ذات والاصفات ہے۔
راجا۔ یہ کیوں کر؟
مادھو۔ راج پاٹ چھوڑ کر اس بنجر میں آپ نے جنگلیوں کا ایسا بانا لیا
ہے کہ میری تو سٹّی گم ہو گئی۔ جانوروں کا ہانکا کرتے کرتے ہڈی
پسلی چور چور ہو گئی۔ خدا را، ایک آدھ روز کمر تو سیدھی
کر لینے دیجیے۔
راجا۔ (خود) اس کا یہ حال ہے۔ ادھر میرا من شکنتلا کی یاد میں اتنا مگن ہے کہ
شکار اسے بالکل نہیں بھاتا۔
اُن ہرنوں پر میں بان کیسے چھوڑوں جن کی سنگت میں رہ کر
میری جانِ جاں کی چتون اتنی بھولی بن گئی ہے۔
مادھو۔ (راجا کی طرف دیکھ کر) سرکار جی ہی جی میں کچھ بچار رہے ہیں
اور اونٹھوں اونٹھوں میں کچھ بڑبڑا رہے ہیں۔ میری بات ایسی
ہے جیسے صدا بصحرا۔
راجا۔ (ہنس کر)۔ کیسے ممکن ہے؟ دوست کی بات کہیں ٹالی جاتی
چلو، آج چھٹّی منائیں۔

مادھو۔ جُگ جُگ جیو۔ (جانا چاہتا ہے)
راجا۔ ٹھیرو صاحب، ابھی کچھ کہنا ہے۔
مادھو۔ ارشاد؟
راجا۔ جب تم تازہ دم ہوجاؤ تو ایک چھوٹے سے کام میں میری مدد کرنی ہوگی۔
مادھو۔ چھوٹا سا کام! کیا لڈّو پیڑے کھانا ہے؟ اس کے لیے تو میں اب بھی بسرو چشم حاضر ہوں[1]۔
راجا۔ اِس کی تفصیل پھر بیان کروں گا۔
کوئی ہے؟
چوبدار۔ کرامات جہاں پناہ۔
راجا۔ سپہ سالار کو بھیجو۔
(چوب دار باہر جاتا ہے اور سپہ سالار کو لیے لوٹ کر آتا ہے)۔
چوب دار۔ حضور کی نظریں آپ کے انتظار میں اسی طرف لگی ہوئی ہیں۔
سپہ سالار۔ (راجا کو دیکھکر) شکار ہے تو بُری بلا لیکن حضور کو اس سے صریحاً فائدہ ہُوا ہے۔
کمان کی ڈوری کھینچتے کھینچتے جسم کا اوپری حصّہ فولاد کی طرح سخت ہوگیا ہے۔ نہ دھوپ لگتی ہے اور نہ تھوڑی سی تھکاوٹ سے پسینہ ہی آتا ہے۔ دوڑ دھوپ سے کچھ دُبلے تو ہوگئے لیکن اِس ڈیل ڈول پر کیا بتا چلتا ہے۔
(قریب آکر)۔ مہاراج کی جے ہو۔ اب تو ہانکا شروع ہوچکا،

---

[1] مسخرے عموماً برہمن ہوتے تھے اور برہمنوں کا پیٹو پن اس زمانے میں ضرب المثل تھا۔

آپ کو چلنا چاہیے۔
راجا۔ کیا کہوں۔ مادھو نے شکار کی اتنی بُرائی کی کہ میرا جی اُچٹ گیا۔
سپہ سالار۔ (مادھو کے کان میں)۔ یار، تو اپنی بات پر اَڑے رہیو اور میں مالک کی سی کہوں گا۔
(آواز) سرکار، اِس بھانڈ کو بکنے دیجیے۔ اس فن کو آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ جسم ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے، چربی چھنٹ جاتی ہے اور جانوروں کو اس خوف و ہراس کی حالت میں دیکھنے کا موقع کب ملتا ہے۔ پھر بھاگتی ہوئی چیزوں پر نشانا لگانا تو تیر اندازی کا کمال ہے۔ جو شکار کو بیکار مشغلہ بتلاتے ہیں وہ جھک مارتے ہیں۔
مادھو۔ (جھنجھلا کر)۔ اجی رکھیے اپنا بڑ بول۔ سرکار اب آپ کی باتوں میں نہیں آتے۔ اور آپ بھی اپنی خیر منائیے۔ کسی کھوسٹ بھالو نے آپ کی چینی کی ناک پکڑ لی تو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔
راجا۔ اچھے سردار! آشرم کے پڑوس کا واسطہ ہے، اس لیے میں تمھارے مشورے پر عمل نہیں کر سکتا۔
اِس لیے آج تو بھینسوں کو تالاب کے پانی میں ڈبکی لگانے دو اور اسے سینگوں سے اُچھالنے دو۔ ہرنوں کو گھنی چھاؤں میں سبھا رچانے دو اور اُتھلی جھیلوں میں جنگلی سؤروں کو بے کھٹکے گڑھے کھودنے دو۔ ہماری کمان کو بھی آرام لینے دو، اس کی ڈور کو بھی ڈھیل لینے دو۔
سپہ سالار۔ بجا ارشاد حضور۔
راجا۔ جو ہانکا کرنے والے آگے جا چکے ہیں انھیں واپس بُلالو

سپاہیوں کو سمجھا دو کہ تپ بن کی شانتی کا خیال رکھیں۔ سُن رکھو کہ جوگی امن پسند تو ہوتے ہیں لیکن اُن میں ایسی طاقتیں چھپی ہوتی ہیں جو آگ کی طرح جلا کر خاک کر دیں۔ جیسے سورج مَن، چھُونے میں برف لیکن رگڑ لگے تو انگارا۔

سپہ سالار۔ بہت خوب۔

مادھو۔ بھاڑ میں جائے شکار۔

(سپہ سالار جاتا ہے)

راجا۔ (بھیلنوں سے مخاطب ہو کر)۔ جاؤ شکار کا لباس اُتار ڈالو۔ چوب دار، تمھیں اپنی جگہ پر رہنا ہے۔

بھیلنیں۔ جو حکم سرکار (چلی جاتی ہیں)

مادھو۔ اب تو یہاں کوئی مکھی بھی نہ رہی۔ آئیے اس چٹان پر بیٹھیں جس پر چھاؤں نے شامیانہ سا تان دیا ہے۔ میں بھی کمر سیدھی کر لوں گا۔

راجا۔ آگے تم ہی چلو۔

مادھو۔ اچھا۔ (دونوں اُس جگہ جا کر بیٹھ جاتے ہیں)۔

راجا۔ مادھو، تمھاری نگاہ کا کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ جو دیکھنے کی چیز ہے اس کا تم نے نظارہ نہیں کیا۔

مادھو۔ واہ، آپ کی چھب دِن رات میری آنکھوں کے آگے رہتی ہے۔

راجا۔ ارے، اپنوں کو تو سب اچھا جانتے ہیں۔ میں تو شکنتلا کا ذکر کر رہا ہوں جو اِس آشرم کا ہیرا ہے۔

مادھو۔ (خود)۔ آئے رنگ پر۔ لیکن میں ڈھیل ہی نہ دوں۔

(آواز)۔۔۔ معلوم یہ ہُوا کہ آپ ایک سادھو کی لڑکی پر لوٹ ہیں۔

راجا۔ بھائی! پُرو کی اولاد کا دل کسی ایسی ویسی پر نہیں آتا۔ جیسے چنبیلی کا غنچہ مدار کی ڈال پر گرے، بس ویسے ہی یہ رشی کماری جو دراصل پری زاد ہے، کنو رشی کو پڑی ہوئی مل گئی۔

مادھو۔ (ہنس کر)۔ اوہو! رانیوں کو چھوڑ کر دل پھنسا بھی تو کہاں۔۔۔ اماں، کھجور سے اُکتا کر املی پر تو نہ آئے ہوتے۔

راجا۔ اگر تم اُسے ایک بار دیکھ لو تو ایسی بکواس نہ کرو۔

مادھو۔ جو آپ کو لُبھا لے، اس کے چت چور ہونے میں کس کافر کو شک ہو سکتا ہے۔

راجا۔ زیادہ کیا کہوں۔
خالق کی قدرت اور شکنتلا کے حُسن کو دیکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ پہلے اِس کی تصویر بنائے بغیر خدا کی بھی جرأت نہ ہوئی ہوگی کہ اس کے پیکر میں رُوح پھونکے اور تصویر میں دُنیا کی تمام خوبصورت چیزوں کی جھلک ڈال کر پھر کہیں یہ دوسری لچھمی[۱] بنائی گئی ہوگی۔

مادھو۔ سیدھے سادے الفاظ میں یوں کہیے کہ سارے جہان کے حسین اس کے آگے اب پانی بھرا کریں گے۔

راجا۔ یہی سمجھ لو۔
اس کا معصوم جمال ایک ایسا پھول ہے جسے اب تک کسی نے نہیں سونگھا، ایسی نئی کونپل ہے جو ابھی ڈنٹھل سے نہیں توڑی گئی، ایسا موتی جو ابھی ہار میں نہیں پرویا گیا، ایسا شہد ہے جو ابھی نہیں چکھا

---

[۱] پُرانک تلمیحات - ۱۳

گیا، عصمت کا چاند جس میں کوئی داغ نہیں پڑا۔
معلوم نہیں بھگوان نے یہ نعمت کس کے نام لکھی ہے۔

مادھو۔ للّٰہ، اس غریب کو نجات دلائیے۔ اگر بیچاری کسی گنجے یا کن پھٹے سادھو کے ہتّے چڑھ گئی تو کیا ہوگا۔

راجا۔ یار! وہ پرائے بس میں ہے اور اس کا باپ پردیس میں ہے۔

مادھو۔ یہ تو بتلائیے کہ اس کی چتونوں نے آپ سے کیا کہا؟

راجا۔ رشی کماری فطرتاً شرمیلی ہوتی ہے۔
اس نے باندازِ دگر دیکھا تھا کہ مجھے سامنے پاکر اس کی نگاہ لوٹ گئی۔ اس نے مسکرایا بھی تھا لیکن اس طریقے سے گویا تبسّم کی وجہ اور ہی کچھ تھی۔ حیا اس حد تک پردہ داری کر گئی کہ اس کی محبّت کھلتے کھلتے چھپ گئی۔

مادھو۔ آپ اور چاہتے کیا تھے؟ وہ آپ کی گود میں اچک کر بیٹھنے سے رہی۔

راجا۔ لیکن جدائی کے وقت لاکھ ضبط کرنے پر بھی اس کے جذبات ظاہر ہو ہی گئے۔ یہ اس طرح کہ گو وہاں کانٹوں کا نام نہ تھا لیکن تھوڑی دور جاکر وہ ٹھٹک گئی، اور کہنے لگی، ہائے میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا۔ حالانکہ اس کا دامن کسی جھاڑی میں نہیں اٹکا، پھر بھی اُسے سُلجھانے کے بہانے وہ منہ پھیر کر رُک گئی۔

مادھو۔ پھر کیا کہنے ہیں! آؤ یہیں جھونپڑی ڈال لیں اور جنگل میں منگل منائیں۔

راجا۔ بھائی، کئی سادھوؤں نے مجھے پہچان بھی لیا ہے۔ اب میں اس
دُبدھا میں ہوں کہ دوبارہ آشرم میں جاؤں تو کس ترکیب
سے جاؤں۔
مادھو۔ راجاؤں کے لیے ترکیب کی کیا کمی۔ وہاں پہنچ کر للکاریے کہ
لاؤ فصل کا چھٹا حصّہ[1]
راجا۔ ابے شیخ چلّی! سادھوؤں کا خراج سونے روپے کے انبار
سے زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے۔ مال خزانے مٹّی میں مل جائیں
گے۔ لیکن ان کی عبادت کا چھٹا حصہ جو ہمارے حصّے میں آتا ہے،
غیر فانی اور جاودانی ہے۔
(پس پردہ)۔ اہو لو، ہم اپنی منزل کو پہنچ گئے۔
راجا۔ (کان لگا کر)۔ ایسی سنجیدہ آواز سادھوؤں کی ہوتی ہے۔
چوب دار۔ (اندر آکر) حضور، دو چیلے دروازے پر کھڑے ہیں۔
راجا۔ انھیں لے آؤ۔
(چوب دار باہر جاکر انھیں ساتھ لاتا ہے)۔
چوب دار۔ نگاہ رُو برو۔
ایک (راجہ کو دیکھ کر۔ علیحدہ)۔ اس کی ذات اپنی تجلّی کے باوجود
کتنی من موہن ہے۔ مگر سچ پوچھو تو یہ روپ اس کے مرتبے کے
مطابق ہے۔ کیونکہ یہ بھی تو رشیوں کی منڈلی میں شامل ہے۔
اس چھتری کو رشی نہ کہوگے تو کیا کہوگے۔ یہ ایک ایسے آشرم
میں بلا تکلف ٹھیر گیا ہو جس کے دروازے ہرکس و ناکس کے

---

[1] پرانک تلمیحات۔ ۴

لیے کھلے رہتے ہیں۔ رعایا پروری بھی عبادت گزاری کی ایک
قسم ہی ہے۔ وہ بھاٹ اس کے ضبطِ نفس اور جہانگیری کا قصیدہ
صبح و شام پڑھا کرتے ہیں۔ جس کی گونج آکاش تک پہنچتی ہے۔
اِسی لیے اسے 'رِشی' کا لقب حاصل ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس
سے پہلے 'راج' کی صفت لگی ہوئی ہے۔

دوسرا۔ گوتم، کیا یہی وہ نام دار دشینت ہے جو اندر کا یارِ غار ہے۔

پہلا۔ اور نہیں تو کیا؟

دوسرا۔ تبھی تو یہ جس کے بازو شہر پناہ کے ستونوں کی طرح ہیں،
تنِ تنہا اس وسیع دنیا پر راج کرتا ہے جس کی حد بندی نیل گوں
ردائے آب کر رہی ہے۔ تبھی تو دیوتا اپنے بیریوں کو میدانِ جنگ
میں اُس وقت شکست دے سکتے ہیں جب ان کی مدد کے لیے
اِندر کے کوندے کی لپک کے ساتھ دُشینت کی کمان کی کڑک
بھی شامل ہو۔

دونوں۔ (قریب پہنچ کر) مہاراج کی جے ہو۔

راجا۔ (اُٹھ کر) ڈنڈوت کرتا ہوں۔

دونوں۔ (پھول نذر کر کے)۔ بھگوان آپ کا بھلا کریں۔

راجا۔ (نذر لے کر پھر سلام کرتا ہے) میرے لائق کوئی خدمت؟

ایک چیلا۔ آشرم والوں کو جب معلوم ہوا کہ آپ کا ڈیرا آجکل یہیں ہے۔

راجا۔ تو انھوں نے کیا حکم دیا۔

چیلا۔ انھوں نے یہ بنتی کی ہے کہ ہمارے گرو کو سفر میں پا کر راکشسوں
کو موقع مل گیا کہ ہون میں حائل ہوں۔ اگر آپ اپنے رتھ بان کے

ساتھ اس آشرم کو چندے نوازیں تو یہ بلا ٹل جائے۔
راجا۔ بسر و چشم۔
مادھو۔ (اشارہ کرکے)۔ لو، بیاں بھئے کو توال!
راجا۔ (مسکراکر)۔ چوب دار، رتھ بان سے کہو کہ تیر کمان اور رتھ لے کر
حاضر ہو۔
چوب دار۔ بہت خوب (باہر جاتا ہی)
دونوں چیلے۔ (خوش ہوکر)۔ مہاراج! آپ کا بول بالا ہو۔ آپ اپنے
پُرکھوں کی ریت پر چلتے ہیں۔ پُرو کا ہر نام لیوا کمزوروں کی حفاظت
کا بیڑا اُٹھاتا ہی۔
راجا۔ (ہاتھ جوڑکر) آپ چلیں۔ میں فوراً آپ کے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔
دونوں۔ بھگوان آپ کو ہمیشہ کامرانی کا منہ دکھائیں۔
(چلے جاتے ہیں)

راجا۔ ادھو شکنتلا کو دیکھنا چاہتے ہو؟
مادھو۔ پہلے تو میں دیدار کے اشتیاق میں باؤلا ہو رہا تھا۔ لیکن راکشسوں
کی خبر نے سارا مزہ رکرکرا کر دیا۔
راجا۔ ڈرو نہیں، تم تو میرے ساتھ رہوگے۔
مادھو۔ پھر یہ بھڑوے میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔
چوب دار۔ (اندر آکر)۔ رتھ حضور کے حکم کا منتظر ہی۔ لیکن راج دھانی
سے ایک ہرکارا راج ماتا کا خط لیے ابھی آیا ہی۔
راجا۔ (اشتیاق سے)۔ کیا وہ اتی جان کا سندیسہ لایا ہی؟
چوب دار۔ جی ہاں، مہاراج۔

راجا۔ اُسے فوراً بلا لاؤ۔

(چوب دار باہر جاتا ہی اور ہرکارے کو ساتھ لے آتا ہی)

ہرکارا۔ مہاراج کی جے ہو۔
راج ماتا نے یہ سندیسہ بھیجا ہی کہ آج سے چوتھے دن ایک تقریب آرہی ہی جس میں آپ کی حاضری نہایت ضروری ہی۔

راجا۔ (سوچتے ہوئے)۔ ادھر سادھوؤں کا کام، اُدھر امّی جان کا فرمان، دونوں میں سے کسی کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ اب کیا کیا جائے۔

مادھو۔ میری مانیے تو نہ یہ کیجیے نہ وہ کیجیے۔

راجا۔ مذاق نہیں، میں دراصل دُبدھا میں پھنس گیا۔ دو دو جگہوں میں ایک وقت پر دو کام کرنے ہیں۔ اِس خیال نے میرے ارادے کو بھی دو حصّوں میں بانٹ دیا ہی۔ جیسے ندی کا دھارا کسی چٹان سے ٹکرا کر پھوٹ جائے۔
(کچھ سوچ کر) مادھو، امّاں نے تمھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہی یا نہیں؟ تمھیں چاہیے کہ میرے بدلے خود اُن کی خدمت میں جاؤ اور میری مصروفیت کا سبب بتلا کر سپوتوں کی طرح سب کام کاج کر دو۔

مادھو۔ کہیں آپ یہ تو نہ سمجھ بیٹھے کہ میں راکشسوں سے ڈر گیا؟

راجا۔ (ہنس کر)۔ توبہ کرو! تمھیں میں ایسا بودا سمجھنے لگا؟

مادھو۔ مجھے اس ٹھاٹ سے جانا چاہیے جو راجا کے چھوٹے بھائی کے لائق ہو۔

راجا۔ میں سارا لاؤ لشکر تمھارے ساتھ کر دوں گا، ورنہ آشرم کی شانتی میں خلل ہوگا۔

مادھو۔ واہ، پھر تو سب مجھے راج کمار سمجھنے لگیں گے۔
راجا۔ (خود) - یہ کمبخت ہی بڑا باتونی۔کہیں رنواس میں میری نئی محبت
کا بھانڈا نہ پھوڑ دے، ابھی سے پیش بندی کر دوں۔
(مادھو کا ہاتھ تھام کر)۔یار، میں تو محض سادھوؤں کے خیال سے
آشرم میں ٹھیر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے سادھو کی بیٹی سے کیا دل چسپی
ہوسکتی ہی۔سوچو تو سہی کہاں ہم اور کہاں یہ لڑکی جو ہرنیوں اور
پنچھیوں میں پلی بڑھی ہی۔ یہ بے چاری عشق کے رمزوں کو کیا سمجھے۔
میں اس لیے کہتا ہوں کہ کہیں دل لگی کو سچ نہ سمجھ بیٹھنا۔
مادھو۔جی نہیں، آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی ہی۔
(سب جاتے ہیں)

ڈراپ
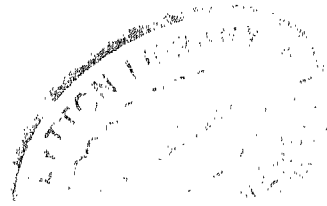
تیسرا ایکٹ

مقام — تپ بن

تمہیدی منظر

(قربان گاہ میں بچھائی جانے والی گھاس[1] کا پولا لیے ہوئے ایک چیلا آتا ہے)

چیلا۔ راجا دشینت کی عظمت کا بھی کچھ ٹھکانا ہے۔ اُن کے آشرم میں قدم رکھتے ہی ہمارے دھرم کاج بخنت ہو گئے۔ اور اُن کی تیر اندازی کے کیا کہنے! اُن کی کمان کی ایک کشش تمام بلاؤں کو دور کرنے کے لیے کافی ہے۔

اب میں یہ گھاس پجاری کو دے آؤں تو وہ اُسے قربان گاہ میں بچھا دیگا۔ (کچھ دیکھ کر، کسی غائب شخص کو مخاطب کر کے)

پریمودا، یہ صندل کا لیپ اور کنول کی پتیاں کس کے لیے لے جا رہی ہو؟ (کان پر ہاتھ لگا کر) کیا کہا؟ لو لگنے سے شکنتلا کے دشمنوں کا مزاج خراب ہو گیا اور یہ اس کے بدن پر رکھنے کے لیے ہیں۔

پریمودا اس کی تیمار داری ہوشیاری سے کرنا۔ وہ ہمارے گرو جی کی زندگی کا سہارا ہے۔ میں بھی پانی دم کر کے بھجواتا ہوں۔

(چلا جاتا ہے)

تمہید ختم

---

[1] اس گھاس کا نام "کش" ہوتا تھا اور یہ مقدس سمجھی جاتی تھی۔

(راجا ایسی حالت میں آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق زدہ ہے)

راجا۔ (خود)۔ میں جپ تپ کے بل کو خوب جانتا ہوں۔ یہ بھی سمجھتا ہوں کہ وہ پرائے بس ہے۔ لیکن کیا کروں کہ دل اس کے خیال سے باز نہیں آتا۔

کام دیو، تمہارے پھولوں کے تیر اور چاند کی کرنیں دیکھنے میں تسلّی بخش ہیں لیکن اُن کے چھل کو کوئی مجھ جیسے برہیوں سے پوچھے مجھے چاند کی خنک کرنیں اور تمہارے پھولوں کے تیر، دونوں ہی جھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ گویا چاند آگ برساتا ہے اور تمہارے پھول سنگ باری کرتے ہیں۔

لیکن یہ دردِ محبت اگر اس جادو نظر کا دیا ہوا ہے تو عین لذّتِ حیات ہے۔

(ٹہلتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھر کر) جب رسمیں ختم ہو جائیں گی اور پجاریوں کو میری ضرورت نہ رہے گی تو میں دُکھیا کہاں جاؤں گا۔

اس کے دیدار کے علاوہ اس بے قراری کا کوئی علاج نہیں۔ چلوں، اس کی تلاش کروں۔

(سورج کی طرف دیکھ کر) اس کڑی دھوپ میں شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ اکثر ندی کنارے ہوتی ہے، اس جگہ جہاں بیلوں نے گھنے کُنج بنا دیے ہیں۔ وہیں چلنا چاہیے۔

(اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے)۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ سیم تن ابھی ان ننھے پودوں کے جھنڈ سے ہو کر گزری ہے۔ جن ڈنٹھلوں سے

پھول توڑے گئے ہیں ان کے گھاؤ ابھی ہرے ہیں اور جہاں سے
پتّیاں توڑی گئی ہیں ان کی کوروں پہ اب بھی دودھ کی بوندیں
چھلک رہی ہیں۔

(ہوا کے جھونکے کھاکر)

یہ جھاڑی مستانہ ہواؤں میں بسی ہوئی ہو۔ آتشِ محبت سے
جھُلسے ہوئے جسم کو یہ جھونکے تھپکیاں دیتے ہیں جو کنول کی مہک
میں بسے ہوئے ہیں اور ندی کی لہروں میں نہاکر ادھر آ رہے ہیں۔
(ٹہلتے ہوئے)۔ بیدوں سے گھرے ہوئے بیلوں کے اُسی کنج میں
شکنتلا ہوگی۔ کیونکہ اس کے دہانہ پر پھیلی ہوئی ملگجی ریت پر وہ
نقشِ قدم اُبھرے ہوئے ہیں جو پنجوں کی طرف پھیلے ہیں لیکن
سرینوں کے بوجھل پن کی وجہ سے ایڑی کی طرف گہرے ہیں۔
ڈالیوں کی جالی سے جھانک کر دیکھوں تو سہی۔
(اُدھر جاکر جھانکتے ہوئے) وہاں ہو میری آنکھوں کی راحت،
میری آرام جان ایک چٹان پر پھولوں کی سیج بچھائے لیٹی ہوئی ہو۔
اور سکھیاں سیوا کر رہی ہیں۔ (ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا ہو)
(شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ اسی حال میں نظر آتی ہو)
سکھیاں۔ (پنکھا جھلتے ہوئے، لجاجت سے)۔ پیاری شکنتلا، کنول کی پنکھڑیوں
کی ہوا سے تمھیں کچھ آرام تو ہو؟
شکنتلا۔ بہنو، کیا تم میرے لیے پنکھا جھل رہی ہو؟
(سکھیاں حیرت زدہ ہوکر مایوسی سے ایک دوسری کی صورت
دیکھنے لگتی ہیں)

راجا۔ (خود) شکنتلا کی طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہو۔ یہ گرمی کے سبب سے
ہو یا اس کی وجہ وہ ہو جو میرا دل کہہ رہا ہو۔
(حسرت سے دیکھ کر)۔ چھوڑو اس وسوسے کو۔
جانِ من کا کمھلایا ہُوا بدن، جوبنوں پر صندل کے لیپ
اور کنول کے ڈنٹھل کی ڈھیلی ڈھالی پہنچی کے ساتھ کتنا
دل فریب معلوم ہوتا ہی۔ یہ سچ ہو کہ کنواری پر گرمی اور محبت کا
اثر ایک سا ہوتا ہی۔ لیکن سورج کی تپش یہ حسین کیفیت پیدا نہیں
کر سکتی۔

پرمیودا۔ (علیحدہ)۔ انسویا، اس راجا کو پہلی نظر دیکھتے ہی شکنتلا یوں
نڈھال ہوگئی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ روگ اسی کا دیا ہُوا ہو؟

انسویا۔ بہن مجھے بھی تو اسی کا کھٹکا ہی۔ پوچھوں تو سہی۔
(شکنتلا کو مخاطب کرکے)۔ اچھی، ایک بات پوچھوں، بُرا تو نہ مانوگی
تمھارا دُکھ نگوڑی آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا۔

شکنتلا۔ (کہنی کے بل اُٹھ کر) پیاری، کیا پوچھنا چاہتی ہو؟

انسویا۔ سکھی، عشق وشق کے معاملے میں تو ہم نپٹ انیلی ہیں۔ لیکن کتابوں
میں عشق کے ماروں کا جو حال پڑھا ہو، وہی حال تمھارا دیکھتی
ہوں۔ تمھیں بتانا ہی ہوگا کہ اس روگ کا کارن کیا ہی۔ جب تک موئے
روگ کا مرم نہ معلوم ہو، علاج کیا خاک کیا جائے۔

راجا۔ (خود) اوہو، انسویا کو بھی وہی شبہ ہو جو مجھے۔ پھر تو یہ طے ہوچکا
کہ میرا خیال مجھے فریب نہیں دے رہا ہو۔

شکنتلا۔ (خود) اس بھید کو کیسے چھپاؤں۔ کُھل کر تو ان سے بھی نہیں

کہا جاتا۔

پریمودا۔ شکنتلا، اس کا کہنا ٹھیک ہے۔ تم اپنے دُکھ کا علاج کیوں نہیں کرتیں۔ روز بروز پھیکی پڑتی جاتی ہو۔ بس ایک روپ کی جوت ہے جو اب تک جوں کی توں ہے۔

راجا۔ (خود) پریمودا کا بیان بالکل صحیح ہے۔ اس کے گال پچک گئے ہیں، جوبنوں کا تناؤ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ کمر نازک تر ہو گئی ہے، کاندھے ڈھل گئے ہیں اور رنگ پیلا پڑ گیا ہے۔ محبت نے کیا کیا کہ اس بیچاری کو دیکھ کر پیار آتا ہے اور ترس بھی۔ جیسے لو کا جھونکا چمیلی کی بیل کو جھلسا دے۔

شکنتلا۔ سکھیو، دردِ دل تمھیں نہیں تو اور کسے سناؤں گی۔ لیکن میرے چلتوں تمھیں ناحق پریشانی ہی ہوگی۔

دونوں۔ اسی لیے تو ہمارا اصرار ہے۔ غم اگر اپنوں میں بٹ جائے تو دوبھر نہیں رہتا۔

راجا۔ (خود) غم گساروں نے پوچھا ہے تو اب وہ اپنے دل کا راز سُناتے نہ جھجکے گی۔
وہ گھڑی کتنی کٹھن تھی جب اس نے لوٹ کر بار بار مجھے پیاسی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لیکن یہ لمحہ اس سے بھی زیادہ جان لیوا ہے کیونکہ اُس کا جواب سُنتے مجھے ہول سا ہو رہا ہے۔

شکنتلا۔ جب سے ہمارے آشرم کے رکھوالے راجا نے ہمیں درشن دیے ——— (اتنا کہہ کر شرما کر چپ ہو جاتی ہے)

دونوں۔ پیاری، چپ کیوں ہو گئیں، کچھ تو کہو۔

شکنتلا۔ اس دن سے مجھے بس اُسی کا دھیان ہی اور اب یہ حال ہوگیا ہی۔
راجا۔ (فرطِ مسرت ہاں۔ خود) کانوں نے یہ جان نواز مژدہ سُن لیا۔
عشق نے درد دیا اور پھر اس کا مداوا بھی دیا۔ جیسے ساون
کا دن پہلے گھمس سے بے کل کرتا ہی اور پھر کالی گھٹا لاکر چین بھی
پہنچاتا ہی۔
شکنتلا۔ اگر جی چاہے تو کچھ ایسا جتن کرو کہ اس راجا کا التفات مجھ پر ہو جائے۔
یہ نہیں تو پھر میری زندگی کی آس چھوڑ دو۔
راجا۔ (خود) اس نے ایسی دو ٹوک بات کہ دی کہ اگر مگر کی جگہ ہی
نہیں رہی۔
پریمودا۔ (علیحدہ)۔ انسویا، یہ پریم میں ایسی باؤلی ہوئی جارہی ہی کہ
انتظار کی تاب نہیں لا سکتی۔ یہ بھی دیکھو کہ اُس کا دل جس پر آیا ہی
وہ کوئی ایسا ویسا نہیں بلکہ پُروبنس کا پالی دیوا ہی۔ مجھے تو اُس میں
کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔
انسویا۔ مجھے بھی تم سے اتفاق ہی۔
پریمودا۔ (بآواز) سکھی، تمھارا انتخاب تمھاری شان کے شایاں ہی۔ دریا
سمندر کے سوا اور بھی کسی کے آغوش میں جاتا ہی؟ اگر یہ بیل اس آم
سے دل لگائے تو حیرت ہی کیا ہی؟
راجا۔ (خود)۔ اگر زہرہ اور مشتری چاندنی کی لیک پہ گھومتے رہیں تو عجب کا
مقام نہیں۔
انسویا۔ بھگوان کا کرنا ایسا ہو جائے کہ شکنتلا کے من کی مُراد فوراً بر آئے
اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو۔

پرمیودا۔ جہاں تک جلدی کا سوال ہے۔ کوئی دقت نہیں۔ لیکن پوشیدگی
کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔

انسویا۔ صاف کہو۔

پرمیودا۔ وہ راجا صاحب جو ہماری سہیلی کی طرف حسرت بھری نظروں
سے تاکتے رہے تھے، خود بھی تو تارے گنتے گنتے سوکھ کر کانٹا
ہوئے جا رہے ہیں۔

راجا۔ (خود) حقیقت بھی یہی ہے۔

کندن کا یہ کنگن ڈھیلا ہو کر باہنوں سے پھسلتا ہے تو میں بار
بار اسے اوپر چڑھاتا ہوں اور ان گھٹّوں کو چھلنے سے بچاتا ہوں
جو کمان کی ڈور کی وجہ سے میری کلائی پر پڑ گئے ہیں۔ اس کنگن
کے رتنوں کی جوت ماند پڑ گئی ہے۔ کیونکہ جب میں باہنوں پر ہاتھ
رکھ کر لیٹتا ہوں تو رات بھر میرے آنسو ان پر ٹپکا کرتے ہیں
اور یہ آنسو سوزِ دروں کی وجہ سے گرم ہو جاتے ہیں۔

پرمیودا۔ (سوچ کر)۔ اری، اسے ایک پریم پاتی کیوں نہ لکھیں۔ اسے
پھولوں میں چھپا کر اس بہانے سے بھجوا دوں گی کہ یہ ہار دیوتاؤں
کے چڑھاوے کا ہے۔

انسویا۔ یہ سنجل ترکیب میرے من کو بھی بھائی۔
شکنتلا، تمھاری کیا رائے ہے؟

شکنتلا۔ بھلا میں تمھارے کہے سے باہر ہوں۔

پرمیودا۔ تو پھر کسی چبھتے ہوئے گیت میں آپ بیتی کہہ ڈالو۔

شکنتلا۔ فکر کرتی ہوں۔ لیکن مجھے اس کا دھڑکا ہے کہ کہیں وہ اسے لوٹا

نہ دے۔

راجا۔(خود) نادان! مجھے جس کی بے التفاتی کا ڈر ہے جانتی ہے کہ وہ تیرے وصل کے لیے کتنا بے تاب ہے؟ سائل کو دولت نہ ملے تو عجب نہیں، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ دولت کو سائل نہ ملے۔

سکھیاں۔خاکم بدہن! کوئی آپ اپنے گنوں پر یوں پانی پھیرتا ہے۔کوئی ایسا بھی ہے جو تن سُکھ چاندنی سے بچنے کے لیے اپنا دامن سکوڑتا ہے؟

شکنتلا۔اچھا تو لو، میں تمھارا کہا کرتی ہوں۔

(بیٹھ کر سوچنے لگتی ہے)

راجا۔(خود) میرے یہ نصیب کہ اپنی جانِ جاں کو جی بھر کر دیکھوں!۔ اب جو وہ ایک بھوں کو خم دے کر گیت لکھنے میں مگن ہے، تو اس کے گالوں کے کھڑے ہوئے روئیں زبانِ حال سے اس کی محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔

شکنتلا۔سکھیو، پاتی کا مضمون تو میں نے سوچ لیا، لیکن یہاں لکھنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔

پرمبودا۔یہ کنول کا پتّا جو دیکھنے میں توتے کی چھاتی کی طرح صاف ہے۔ اسی پر اپنے ناخن سے لکھ دو۔

شکنتلا۔(اسی طرح لکھتے ہوئے)۔بہنو، غور سے سُنو اور پھر بتاؤ کہ مطلب ادا ہوا یا نہیں۔

دونوں۔ہم کان لگا کر سُن رہی ہیں۔

شکنتلا۔(پڑھتی ہے) میرا حالِ دل میں کیا جانوں لیکن او بے درد، میں تو اپنا دل تجھے دے بیٹھی اور اب کام دیو دن رات مجھے آتشِ فرقت میں

تپایا کرتا ہو۔

راجا۔ (جھٹ اُن کے سامنے آکر

اوسرو ناز! تجھے تو کام دیو صرف تپاتا ہو لیکن مجھے وہ سچ مچ میں جلایا کرتا ہو۔ دن کا اُجالا جل سوسن کو اُس حد تک نہیں کُھلاتا جس حد تک چاند کو۔[1]

سکھیاں۔ (اسے دیکھتے ہی خوشی کے مارے اچھل کر)۔ مرحبا! ہماری مُراد کے بر آنے میں دیر نہ لگی۔

(شکنتلا اُٹھنے کی کوشش کرتی ہو)۔

راجا۔ رہنے بھی دیجیے، اس کی کیا ضرورت ہو۔ آپ کا بیمار بدن کسی مزید تکلیف کا بار برداشت نہیں کر سکتا۔ دیکھیے، سیج کے پھولوں کی پنکھڑیاں اس سے چپک گئی ہیں اور کنول کے ڈنٹھل کی پہنچی بھی مسل گئی ہو۔

انسویا۔ مہربان آئیے، اسی چٹان پر بیٹھ جائیے۔

(راجا بیٹھ جاتا ہو۔ شکنتلا وفور حیا سے عرق عرق ہوئی جا رہی ہو)۔

پریمودا۔ یہ تو ظاہر ہو کہ آپ دونوں ایک دوسرے پر سو جان سے فدا ہیں تاہم، اپنی سکھی کی خاطر مجھے ایک بات کہنی پڑتی ہو۔

راجا۔ بہن جی، اسے کہنے سے نہ چوکیے۔ دل جو کہنا چاہتا ہو، اگر وہ بے کہا

---

[1] ہندو شاعری کا ایک مرغوب موضوع سورج اور کنول، اور جل سوسن (Water Lily) اور چاند کی محبت ہو۔ کہتے ہیں کہ کنول آمد آفتاب کے ساتھ ساتھ کھلتا اور غروب آفتاب کے ساتھ منہ بند ہو جاتا ہو۔ اسی طرح جل سوسن چاند کے ساتھ کھلتا اور کمھلاتا ہو۔ اس اعتبار سے انھیں عاشق اور معشوق باندھتے ہیں۔

رہ جائے تو ملال رہ جاتا ہو۔

پرمیودا۔ راجا کا دھرم ہو کہ پرجا میں کسی کو دکھ درد ہو تو اُس کی مشکل کشائی کرے۔

راجا۔ اس میں کیا شک ہو۔

پرمیودا۔ ہماری پیاری سکھی آپ کے پریم کی ماری ہوئی ہو آپ کو چاہیے کہ اسے جان کی امان دیں۔

راجا۔ مگر یہی التجا میں ان سے بھی کرتا ہوں۔ دونوں کا ثواب انھیں ملیگا۔

شکنتلا۔ (پرمیودا کی طرف دیکھ کر) لالی، تم ان سے بیجا اصرار کیوں کرتی ہو۔ یہ بیچارے تو حرم والیوں کی فرقت میں گھُلے جا رہے ہیں۔

راجا۔ اگر میرے من مندر کی دیوی مجھے کسی اور کا سمجھنے لگے تو پھر میرے لیے ٹھکانا کہاں رہا۔ عشق کے تیر کا جو پہلے سے گھائل ہو اس کے زخموں پر نمک کیوں چھڑکا جا رہا ہو۔

انسویا۔ بھائی، سب جانتے ہیں کہ راجاؤں کی کئی کئی رانیاں ہوتی ہیں اس لیے تم اس طرح نباہنا کہ ہماری سکھی کے عزیزوں کو بعد میں پشیمانی نہ ہو۔

راجا۔ زیادہ کیا کہوں۔ رانیاں بہت ہیں لیکن میرے گھرانے کا سہارا صرف دو پر ہوگا۔ ایک تو دھرتی رانی[1] پر اور پھر تمھاری اس سہیلی پر۔

سکھیاں۔ اب ہمیں بالکل اطمینان ہوگیا۔

پرمیودا۔ (اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی)۔ انسویا، یہ ہرن کا چھینا جس حیرانی سے ہماری طرف تاک رہا ہو اس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ اپنی ماں کی

---

[1] سنسکرت کے شاعر دھرتی کو راجا کی رانی کہتے ہیں۔

تلاش میں بھٹک رہا ہی۔ آؤ، اس موئے کو اس کی ماں کے پاس
پہنچادیں۔ (دونوں جانے لگتی ہیں)

شکنتلا۔بہنو، مجھ دکھیا کو کس کے بھروسے چھوڑے جاتی ہو۔ ﷲ دونوں
میں سے ایک یہیں رہو۔

سکھیاں۔ اِی ہی! یہ جو جگت کے پالن ہار تمھارے پاس بیٹھے ہوئے
ہیں! (چلی جاتی ہیں)

شکنتلا۔کیا واقعی دونوں چلی گئیں؟

راجا۔لیکن پریشانی کی کیا بات ہی۔تمھاری خدمت کے لیے یہ غلام موجود
ہی۔کہو تو کنول کا یہ پانی میں بھیگا ہوا پنکھا جھل دوں۔ اس سے پسینہ
سوکھ جائے گا۔ یا کہو تو مہاور لگے ہوئے ان پیروں کو گود میں لےکر
ہولے ہولے دبادوں۔

شکنتلا۔ توبہ کیجیے! میں نگوڑی ایسی ہوگئی جو بڑوں سے اپنی خدمت لوں۔
(اُٹھ کر جانا چاہتی ہی۔)

راجا۔سُندری ابھی دھوپ تیز ہی اور تمھارا یہ حال ہی۔ پھر پھولوں کی
اس سیج کو چھوڑ کر جس کی پھول پتّیاں تمھاری سینہ بندی کر رہی
ہیں تم اس بھری دوپہریا میں کہاں جاؤگی۔ سوچو تو دُکھ جھیل
کر تم کتنی نڈھال ہوگئی ہو۔

(زبردستی روک لیتا ہی)

شکنتلا۔ راجا، یوں قابو سے باہر نہیں ہوتے۔ میں بھی کام دیو کی ستائی
ہوئی ہوں لیکن کیا کروں کہ پرائے بس ہوں۔

راجا۔تم بھی کتنی ڈرپوک ہو۔ بڑے بوڑھوں کا خوف کب تک اِتھارے

بابا شاستروں سے واقف ہیں۔ تمھاری حالت کا علم ہونے کے بعد وہ تم پر کوئی تہمت نہ دھریں گے۔ پہلے بھی بڑے بڑے رشی منیوں کی بیٹیوں نے اپنی مرضی سے گاندھرو[1] بیاہ کر لیا۔ اور اُن کے ماں باپ نے بُرا نہ مانا۔

شکنتلا۔ میری کلائی چھوڑ دو۔ میں پہلے اپنی سکھیوں سے پوچھ لوں۔

راجا۔ گھبراؤ نہیں، چھوڑ دوں گا۔

شکنتلا۔ آخر کب؟

راجا۔ جیسے بھونرا گلِ تازہ کا مدھو گھونٹ گھونٹ کرکے پیتا ہے، اسی طرح میں تیرے اچھوتے ہونٹوں کا رس ہولے ہولے پی لوں تو تجھے چھوڑ دوں گا۔

(اس کا منہ اوپر اٹھاتا ہے۔ شکنتلا روکتی ہے۔)

(پس پردہ)۔ اری او چکوی، اپنے پیتم سے رخصت ہولے کہ رات آ چلی[2]۔

شکنتلا۔ (گھبرا کر)۔ پیارے، غضب ہوا! گوتمی مائی میری مزاج پُرسی کے لیے یہیں آ رہی ہیں۔ تم اِن جھاڑیوں میں چھپ جاؤ۔

راجا۔ بہت اچھا (چھُپ جاتا ہے)

(ہاتھ میں کمنڈل لیے گوتمی شکنتلا کی سکھیوں کے ساتھ آتی ہے)

---

[1] گاندھرو بیاہ شادی کی کئی قسموں میں سے ایک ہے جس میں صرف میاں بیوی کی رضامندی کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی گواہ کا ہونا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ شاستروں نے اس قسم کو جائز بتایا ہے۔

[2] شکنتلا کو سکھیوں کا اشارہ کہ کوئی آ رہا ہے۔ یوں ہندی شاعری کا ایک خاص مضمون رات کے وقت چکورا اور چکوری کی جدائی ہے۔

سکھیاں ۔ ہاں جی اِدھر۔
گوتمی ۔ (شکنتلا کے پاس آکر)۔ میری دُلاری، جی اب کچھ ہلکا پڑا ؟
شکنتلا ۔ ماں، آپ کی دیا سے اب کچھ اچھی ہوں ۔
گوتمی ۔ کُش گھاس کا یہ پانی ہے ۔ اس سے تجھے آرام ہو جائے گا ۔
(سر پر پانی چھڑک کر)۔ بچّی، اب جھٹ پٹے کا سمے ہے ۔ کُٹیا کو
چلی چلو ۔
(سب جانے لگتی ہیں)
شکنتلا ۔ (خود) دلِ ناداں، جب دیوتا گھر بیٹھے آیا تھا تو تو حیص بیص میں
رہ گیا ۔ اب اداس ہونے اور پچھتانے کا تجھے کیا حق ہے ۔
(بآواز) ۔ اے پیارے کنج، اے آرام جان ! خدا حافظ ۔ پھر کبھی تیری
سنگت کا سُکھ لینا ہے ۔
(حسرت کے ساتھ دوسروں کے پیچھے چلی جاتی ہے ۔)
راجا ۔ (اپنی پہلی جگہ پر آکر، آہ بھر کر)
ارمانوں کی تکمیل بھی کتنی تنکیب طلب ہے ۔ بڑی بڑی پلکوں والی
وہ موہنی !
جب اپنے ہونٹھوں کو اس نے انگلیوں میں چھپا لیا اور ان ہونٹھوں
سے حرفِ انکار کچھ نکلے اور کچھ مسوس کر رہ گئے تو اُس کا مکھڑا کتنا
دل فریب ہو گیا تھا ۔ اپنا مکھڑا وہ بار بار اِدھر اُدھر موڑ لیتی تھی اور
جب لے دے کر میں نے اسے اوپر اُٹھایا بھی تو چومنے کا ہیاؤ نہ ہوا ۔
اب میں کہاں جاؤں .... چلو، اسی کنج میں گھڑی بھر بیٹھوں
جسے میرے محبوب نے اتنی دیر نوازا تھا ۔

(چاروں طرف دیکھ کر)۔ یہ ہی چٹان پر پھولوں کی وہ سیج جسے
اس نازک اندام نے مسلا تھا۔ یہ ہی کنول کی پنکھڑی کی مرجھائی ہوئی
پاتی جسے اس کے ناخونوں نے لکھا تھا۔ یہ ہی کنول کے ڈنٹھلوں کی
پہنچی جو اُس کی کلائی سے گر پڑی تھی۔

حالانکہ اب یہاں سنّاٹا ہی سنّاٹا ہے، لیکن آنکھیں اس سے اتنی
مانوس ہوگئیں کہ ہٹنے کو جی نہیں چاہتا۔

(دوُر سے ایک آواز)۔ مہاراج، شام کی پوجا ابھی شروع ہی ہوئی
تھی کہ راکشش بھوت بن کر اور لال لال بادلوں کا سا روپ بھر کر
قربان گاہ کی آگ کے آس پاس منڈلانے لگے اور طرح طرح سے
ہمیں دق کرنے لگے۔

راجا۔ جوگیو، گھبراؤ نہیں، میں آ پہنچا۔

(جاتا ہے)

ڈراپ

چوتھا ایکٹ

مقام — کنو کا آشرم

تمہیدی منظر

(سکھیاں پھول توڑتی ہوئی آتی ہیں)

انسویا۔ پریمودا، شکنتلا کو من مانگا دولہا مل گیا اور دونوں میں گاندھرو ریت سے بیاہ بھی ہوگیا، اِس خیال سے دل باغ باغ ہے۔ لیکن جانے کیوں، ایک بات کھٹکتی ہے۔

پریمودا۔ وہ کیا؟

انسویا۔ وہ یہ کہ آج قربانی ختم ہوگئی اور پجاریوں نے راجا کو جانے کی اجازت بھی دے دی۔ جب وہ اپنی نگری کو پہنچے گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ رنواس کی رنگ رلیوں میں یہاں کی بیتی کو بھول جائے۔

پریمودا۔ چھوڑو بھی۔ ایسی بھولی بھالی صورت والے جلّاد بھی ہوتے ہیں۔ فکر تو اس کا ہے کہ جب کنو بابا یہ قصہ سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔

انسویا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ اسے پسند کریں گے۔

پریمودا۔ یہ کیا ضرور ہے۔

انسویا۔ سب کے من کی چاہ یہی ہوتی ہے کہ اپنی بیٹی کا بیاہ کسی بڑے گنی سے کریں۔ اگر بھاگ سے گھر بیٹھے ایسا بر مل گیا تو گویا بنا جتن

دل کی آرزو پوری ہوئی۔
پریمودا۔(پھولوں کی ڈلیا کو دیکھ کر) پوجا کے لیے اتنے پھول کافی ہوں گے
یا نہیں۔
انسویا۔شکنتلا کے بھاگ دیوتا پر بھی تو چڑھانا ہی۔
پریمودا۔ٹھیک کہتی ہو۔
(پسِ پردہ)۔کوئی ہی، میں تمھارے گھر مہمان آیا ہوں۔
انسویا۔(آواز سُن کر) سکھی، یہ کسی مہان کی پکار ہی۔
پریمودا۔فکر نہ کرو، شکنتلا کٹیا میں ہی۔
(خود) لیکن آج اُس کا دل کہیں اور ہی۔
انسویا۔بھئی، اتنے پھول بہت ہیں۔
(جانے لگتی ہیں)
(پسِ پردہ)۔او مہمانوں کی توہین کرنے والی! جس کے دھیان میں تو ایسی
ڈوبی ہوئی ہی کہ اس کی بھی سُدھ نہیں کہ مجھ جیسا تپشوی تیرے در
پر کھڑا صدا دے رہا ہی۔ ایسا ہو کہ وہ تجھے یک سر بھول جائے
اور یاد دلانے پر بھی نہ پہچان سکے۔ جس طرح کوئی متوالا اپنے
وعدے کو بھول جاتا ہی۔
پریمودا۔ہائے افسوس، یہ کیا غضب ہُوا! شکنتلا نے بے خیالی میں کسی
ایسے کی توہین کردی جو بڑا گیانی مانی تھا۔
(اُدھر دیکھ کر) اور یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ نامی گرامی رِشی دُرواسا
ہی جس کا ناک چڑھا پن جگ ظاہر ہی۔ بد دعا دے کر وہ غصّے
کے مارے تھرتھراتا ہوا سرپٹ چلا جا رہا ہی۔ موا آگ کا بھبّھا ہی۔

انسویا۔ بہن، پیر پڑکر اس جلے تن کو لوٹا لاؤ۔ اس بیچ میں میں اس کی پوجا کا سامان کرتی ہوں۔

پرمیودا۔ بہت اچھا۔ (جاتی ہے)

انسویا۔ (چلتے چلتے پھسل کر)۔ اوئی، ہول کے مارے پاؤں ایسا پھسلا کہ میرے ہاتھ سے پھولوں کی ڈلیا گر پڑی[۱]

(گرے ہوئے پھولوں کو چننے لگتی ہے)

پرمیودا۔ (لوٹ کر) سکھی، وہ بگڑے دل کسی کی بنتی پہ دھیان کیوں دینے لگا۔ تاہم اس کا پتھر دل کچھ تو پسیجا۔

انسویا۔ (مسکرا کر) اُس سے اس کی آس بھی نہ تھی۔ ہُوا کیا؟

پرمیودا۔ جب اُس نے لوٹنے سے قطعی انکار کر دیا تو میں نے گڑگڑا کر کہا کہ اے مہابلی، یہ تو دیکھو کہ وہ تمھاری ہی بچّی ہے۔ وہ تپ کے بل کو کیا سمجھے اور پھر یہ اس کی پہلی بھول ہے۔ اپنی کرامات کے صدقے اُسے معاف کر دو۔

انسویا۔ ہاں تو؟

پرمیودا۔ اجی، وہ پلک مارتے غائب غُلّہ ہو گیا۔ بس یہ کہتا گیا کہ میرا کہا پتھر کی لکیر ہے، مگر نشانی کی انگوٹھی کو دیکھنے کے بعد بددعا کا اثر جاتا رہے گا۔

انسویا۔ باپ رے باپ، دم میں دم تو آیا۔ کچھ آس تو بندھی۔ جب راجا جا رہا تھا تو اس نے اپنے نام کی انگوٹھی یادگار کے بطور پہنا دی تھی۔ اِس کے ہوتے شکنتلا کو بدعا کا ڈر نہیں۔

---

[۱] اس سے بدشگونی کا اظہار مقصود ہے۔

پریمودا۔ آؤ سکھی، اس کی خاطر دیوتاؤں کی پوجا کریں۔
(جاتے جاتے۔ باہر دیکھ کر)۔ دیکھو انسویا، اپنے پیا کے دھیان میں
بائیں ہاتھ پہ سر رکھے ہماری پیاری سہیلی کس انداز سے بیٹھی ہوئی ہے۔
گڑیا سی لگتی ہے۔ اس بیچاری کو تو اپنا بھی ہوش نہیں، پھر کسی
آتے جاتے کی کیا خبر۔
انسویا۔ پریمودا، اس واقعے کی خبر کسی تیسرے کو نہ ہو۔ جانتی ہو، بہنا کا
دل کمال نازک ہے، اسے اس افتاد کا پتا نہ چلے۔
پریمودا۔ خوب کہی! اری چمیلی پر بھی کوئی تتا پانی چھڑکتا ہے۔

تمہید ختم

(نیند سے ابھی ابھی جاگا ہؤا ایک چیلا آتا ہی)

چیلا- گرو جی ابھی سفر سے لوٹے ہیں۔ انھوں نے مجھے وقت دیکھنے کو بھیجا ہی- ذرا باہر چل کر دیکھوں کہ رات کتنی باقی ہی- (باہر جا کر دیکھتا ہی)

لو، یہ تو سویرا ہو چلا- کیونکہ اِدھر تو چاند پچھم کی پہاڑیوں کی اوٹ سے جھانک رہا ہی اور اُدھر پورب میں سورج اپنا گلابی پھریرا اُڑا رہا ہی-

بیک وقت دو نیّروں کے عروج و زوال کو دیکھ کر لوگ زندگی کے نشیب و فراز کا سبق حاصل کرتے ہیں-

اب جو چاند ڈوب چلا تو وہی جل سوسن میری آنکھ کو ذرا نہیں بھاتی- کیونکہ اس کا حسن اب مشاہدہ میں نہیں بلکہ فقط تخیّل میں رہ گیا[۵۱]- سچ ہی کہ پیتم کے بجوگ کا صدمہ سجنی کے لیے زیادہ غم ناک ہوتا ہی-

پتّیوں پر سوئی ہوئی شبنم کی بوندوں کو چاند نے گلابی رنگت دے دی ہی- جھونپڑوں کی پھوس کی چھتوں پر سوتے ہوئے مور بیدار ہو رہے ہیں- اور یہ ہرن جو قربان گاہ کے چبوترے پر کھرُ سکیڑ کر سوئے ہوئے تھے، اُٹھ کر یوں جماہی لے رہے ہیں جیسے اُن کا کُب نکل آیا ہی- ماہِ تاباں اپنے نور کو لٹا کر آسمان سے گر رہا ہی- ایک دن وہ تھے کہ اسی کے محل یعنی پہاڑوں کے سرتاج سُمیر کو اپنے قدموں کے نیچے رکھ کر وِشنو نے چاند کی دنیا کو اپنی مملکت میں شامل کیا تھا-[۵۲]

بڑوں کی سربلندی بھی پستی ہی پر ختم ہوتی ہی-

---

[۵۱] دیکھیے صفحہ ۴۷ کا حاشیہ ✤ [۵۲] پرانک تلمیحات - ۵

(انسویا داخل ہوتی ہے)۔

انسویا۔(خود) میں دُنیا کی رسم و راہ سے انجان ہوں تو کیا ہوا،
اِتنا تو سمجھ ہی سکتی ہوں کہ اُس راجا نے شکنتلا سے بُرا سلوک کیا۔

چیلا۔گرو جی سے چل کر کہہ دوں کہ پوجا کا سمے ہو گیا۔

(چلا جاتا ہے)۔

انسویا۔یہ پہاڑ سا دن کیسے کٹے۔جی کچھ ایسا گرا ہوا ہے کہ نت کے کام
بھی نہیں کیے جاتے۔کام دیو، ہماری بھولی بھالی سکھی کو ایک بزدل
کے پھندے میں پھنسا کر تمہارا کلیجہ ٹھنڈا پڑا؟.......... یا اس
تغافل کی اصل وجہ دُروا سا کی بد دُعا ہے؟........ ورنہ یہ کیسے
ممکن تھا کہ وہ راجا ایسے ایسے وعدے وعید کرنے کے باوجود اتنی
مدّت میں ایک چِٹھی بھی نہ بھیجتا۔

(سوچتی ہوئی) اس صورت میں نشانی کی وہ انگوٹھی یہاں سے
اس کے پاس جانی چاہیے۔مگر سب سادھو تو اپنی اپنی تپشیا میں ڈوبے
ہوئے ہیں، بھیجیں کسے؟ نہ میں کنو بابا سے کہہ سکتی ہوں کہ شکنتلا کا
بیاہ ہو چکا اور اس کا پاؤں بھاری ہے۔کیونکہ قصور تو اسی مت ماری
کا ہے۔

ہائے، اس بپتا میں ہم کیا کریں!

پریمودا۔(آتی ہے، خوشی کے مارے پھولی نہیں سماتی)
بہنا، جلدی آؤ۔شکنتلا اپنے دولھا کے گھر جا رہی ہے۔رخصتی کی
رسم ادا کرنا ہے۔

انسویا۔اری، یہ کیا ہوا؟

پریموُدا۔ سُنو۔ ابھی میں شکنتلا سے پوچھنے گئی تھی کہ رات کو نیند تو اچھی آئی۔
انسویا۔ ہاں تو پھر۔
پریموُدا۔ میں نے دیکھا کہ شکنتلا لاج کی ماری سر جھکائے کھڑی ہے اور کنو بابا اُسے گلے لگا کر کہہ رہے ہیں "مرحبا! پجاری کی آنکھیں دھنوئیں کے مارے دُھندلا گئیں تو کیا ہوُا، اس کا چڑھاوا تو آگ کو پہنچ ہی گیا۔ میری بچّی، تو اس ہُنر کی طرح ہے جو کسی سعادت مند شاگرد کو سکھایا گیا ہو کیونکہ تو کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی جو میری خفّت کا باعث ہو۔ آج ہی میں سادھوؤں کے سنگ تجھے پیہر بھیج دوں گا"
انسویا۔ لیکن کنو بابا پر یہ راز کیسے کھُلا۔
پریموُدا۔ جب وہ دیوالا کو جا رہے تھے تو آکاس بانی سُنائی دی۔
انسویا۔ (حیرت سے)۔ ایں، وہ آواز کیا تھی؟
پریموُدا۔ اس نے کہا کہ اے برہمن، اپنی بیٹی کو کیکر کا پیڑ سمجھ جس کے تنے میں آگ بھری ہوتی ہے۔ کیونکہ دُشینت نے اُسے آگ کی اس چنگاری کا حامل بنایا ہے جو کبھی دُنیا کو اُجال دے گی۔
انسویا۔ (پریموُدا کو گلے لگا کر) سکھی، میں واری! میں تو سُکھ سے نہال ہو گئی، مگر ساتھ ساتھ اس کا دُکھ بھی ہے کہ شکنتلا ہم سے بچھڑ جائے گی۔
پریموُدا۔ اری پگلی، ہم اپنے غم کو کسی نہ کسی طرح بہلا ہی لیں گے، اُسے تو چین نصیب ہو گا۔
انسویا۔ خیر۔ دیکھو، آم کی اس شاخ پر میں نے ایک ڈلیا لٹکا رکھی ہے جس میں اسی موقع کے لیے ایک سدا بہار ہار رکھا ہوُا ہے۔ تم اسے نکال لاؤ۔ میں جا کر اس کے سنگار کا سامان کرتی ہوں۔ گو لوچن، تیرتھوں

کی خاک پاک اور قربان گاہ کے تنکے جمع کرتی ہیں۔

پریمودا۔ اچھا، تم جاؤ۔

(انسویا جاتی ہے، پریمودا پھول توڑنے لگتی ہے۔)

(پسِ پردہ)۔ گوتمی، شارنگرو اور شارودت سے کہو کہ انھیں شکنتلا کے ساتھ جانا ہے۔

پریمودا۔ (سُن کر)۔ انسویا، پھُرتی کرو! ہستنا پور جانے والے سادھو تیار ہو رہے ہیں۔

انسویا۔ (سنگار کا سامان لے کر آتی ہے)۔ بہن چلو چلیں۔

(دونوں چلنے لگتی ہیں)

پریمودا۔ (کچھ دیکھ کر)۔ دیکھو۔ پو پھٹتے ہی شکنتلا نک سے سُک تک نہا دھوکر وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ جوگنیں اُسے مبارک باد دے رہی ہیں اور نظر اُتارنے کے لیے مٹھی بھر بھر اناج لے آئی ہیں چلو اس کے پاس۔ (ادھر جاتی ہیں شکنتلا اسی حالت میں نظر آتی ہے)

ایک جوگن۔ بیٹی! بھگوان تمھیں مہارانی بنائیں اور یہ لقب تمھارے دولھا کے اتھاہ پریم کی نشانی ہو۔

دوسری۔ بیٹی، بھگوان کرے کہ تمھارا بیٹا بڑا سورما ہو۔

تیسری۔ دُعا ہو کہ تمھارا دولھا تمھیں سر آنکھوں پر جگہ دے۔

(دعائیں دے کر گوتمی کے سوا سب چلی جاتی ہیں)

سکھیاں۔ (پاس آکر) پیاری، یہ اشنان مبارک ثابت ہو۔

شکنتلا۔ جم جم آؤ۔ میرے پاس براجو۔

دونوں۔ (سنگار کا سامان رکھ کر بیٹھ جاتی ہیں) جانی، تمھیں سنوارنا

سجانا ہے - تیار ہو جاؤ -

شکنتلا - میں قربان! ہائے، اب مجھے اپنی سہیلیوں کے ہاتھ کا سنگار کب نصیب ہوگا - (رونے لگتی ہے)

سکھیاں - بہن، ایسی شُبھ گھڑی رونا اچھا نہیں -

(اس کے آنسو پونچھ کر سنگار کرنے لگتی ہیں)

پرمودا - اس روپ کو تو ہیرے موتی سے آراستہ ہونا چاہیے تھا - آشرم کی پھول پتیوں سے اس کی سجی ہوتی ہے -

(اتنے میں دو رشی کمار گہنے لیے آتے ہیں)

چیلے - یہ رتن ہم دیوی جی کے لیے لائے ہیں -

گوتمی - بیٹا نارد، یہ تمھیں کس نے دیے ؟

پہلا - یہ گرو مہاراج کی کرامات کا ظہور ہے -

گوتمی - اوہو! کیا ارادہ کرتے ہی یہ پیدا ہو گئے ؟

دوسرا - جی نہیں - گرو جی نے ہم سے کہا کہ شکنتلا کے لیے پیڑوں کے پھول چُن ڈالو -

ابھی ہم گل چینی کر رہے تھے کہ کسی پیڑ نے ہماری طرف ایک ریشمی دوپٹا لہرا دیا - وہ جو چاندنی کی طرح سبک و سپید ہے - ایک نے مہاور ٹپکایا - وہ جس سے پاؤں رنگے جاتے ہیں - یہاں وہاں سے بن پریوں نے نازک نازک ہاتھ نکال کر ہماری طرف رنگ برنگے گہنے بڑھا دیے - ان کی کلائیاں ٹہنیوں کی مانند لچکیلی تھیں -

پرمودا - (شکنتلا کو دیکھ کر) یہ نیک شگون بتلاتا ہے کہ تم سسرال میں راج کروگی -

پہلا چیلا - آؤ بھائی - گرو جی نہا کر آ چکے ہوں گے - اُنھیں پیڑوں کی اس دین کا حال سُنا دیں -
دوسرا - ہاں چلو (دونوں جاتے ہیں)
سکھیاں - بھلا ہم گہنوں کا حال کیا جانیں - تصویروں میں جیسا دیکھا ہے اسی انداز پہ تمھیں پہناتی ہیں -
شکنتلا - چلو ہٹو بھی - میں تمھارے مکر کو خوب جانتی ہوں -
(سکھیاں گہنے پہناتی ہیں)

(نہا دھو کر کنو رشی آتے ہیں)
کنو - (خود) - آج شکنتلا چلی جائے گی، اس خیال سے میرا دل غم واندوہ میں ڈوبا ہوا ہے، آنسوؤں کے رُوندھنے سے گلا مسوس رہا ہے اور ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے ہیں - جب مجھ بن باسی کو محبت کے جذبے نے اس حد تک مغلوب کر دیا ہے تو اپنی بیٹیوں کو پہلے پہل بدا کرتے سمے دُنیا داروں کا کیا حال ہوتا ہوگا - (ٹہلنے لگتا ہے)
سکھیاں - شکنتلا، سنگار ہو چکا - اب تم یہ ریشمی جوڑا پہن ڈالو -
گوتمی - بیٹی، تمھارے بابا آ رہے ہیں - ان کی آنکھیں تمھیں دیکھ کر مسکرا رہی ہیں - آداب بجا لاؤ -
شکنتلا - (شرماتی ہوئی) پالاگوں بابا -
کنو - بیٹی، تو اپنے دولھا کو اتنی ہی محبوب ہو جتنی شرمشٹھا بیاتی کو پیاری تھی[1] اور اگر اس نے پُرو جیسے نام ور کو جنم دیا تو دُعا ہے کہ تیرا بیٹا بھی راجا دھراج ہو -

---
[1] پرانک تلمیحات[6] -

گوتمی۔ یہ مُراد طلبی نہیں بلکہ مراد بخشی ہو۔
کنو۔ بیٹی، آؤ اگنی دیوتا کا طواف کر ڈالو۔ ابھی انھیں ایندھن دیا گیا ہو۔
آگ کی یہ لپٹیں جو اپنا چڑھاوا لے کر قربان گاہ کے گردا گرد
اپنی جگہ پر بھڑک رہی ہیں اور جن کے کنارے کُش گھاس کے
تنکے بکھرے پڑے ہیں۔ دُعا ہو کہ یہ تجھے پاک کریں اور ہون کی
مہک پاپ کی بو باس کو اُڑا لے جائے۔
(سب لوگ طواف کرتے ہیں)

اب سدھارو۔
(ٹہلتے ہوئے) شارنگرو وغیرہ کہاں ہیں۔
دونوں چیلے۔ (اندر آکر)۔ گرو جی ہم تیار ہیں۔
کنو۔ اپنی بہن کو گیں بتاؤ۔
شارنگرو۔ بہن جی، ادھر سے چلنا ہو۔
کنو۔ ارے او تپ بن کے پیڑو! وہ جو تمھیں پانی دیے بنا منہ میں
پانی کی بوند نہ ڈالتی تھی، وہ جو سنگار کی پریمی ہوتے ہوئے بھی
تمھاری چاہ کے مارے نئی کونپلوں کو ہاتھ نہ لگاتی تھی، وہ جسے
تمھارے نئے پھولوں کا دیدار مسرت کا پیام تھا۔ وہی شکنتلا
آج اپنے سسرال جا رہی ہو۔ تم سب اسے ہنسی خوشی رخصت
کرو۔ (کویل کی کوک سُن کر) شکنتلا کے چہیتے پیڑ اُسے الوداع
کہہ رہے ہیں۔ کویل کی کوک میں اُنھی کی صدا سمائی ہوئی ہو)
دُور سے آواز آتی ہو) اس کا راستہ، جس کی منزلوں کو کنول بچھے
ہوئے تالاب خوش کام بنائیں گے اور سایہ دار درخت دھوپ

کی کلفت کو دُور کریں گے، کاش ایسا ہو جائے کہ اس کی خاک دھول زرِگل کی طرح نرم ہو، اس پر ہلکی ہلکی بادِ صبا چل رہی ہو اور وہ بالکل بے خطر ہو۔

(سُن کر سب حیرت زدہ رہ جاتے ہیں)

گوتمی۔ تپ بن کی دیویاں، جو ہماری طرح تیری شفیق ہیں تجھے آشیرباد دے رہی ہیں، اُن کے آگے سر جُھکا۔

شکنتلا۔ (سر جھکا کر ٹہلتی ہوئی — علیحدہ) پیاری پریمودا، یہ سچ ہو کہ میں پران پیارے کے درشن کی پیاسی ہوں لیکن آشرم سے جاتے ہوئے میرے پانو ڈگمگا رہے ہیں۔

پریمودا۔ اکیلی تمھیں کو جدائی کا صدمہ نہیں ہو۔ زرا اس آشرم کی اُداسی کو دیکھو جس سے تم کسی دم میں بچھڑ جاؤگی۔ ہرنوں نے چرنا چھوڑ دیا ہو، مور اپنا ناچ بھول گئے ہیں اور ڈالیاں سوکھی پتّیوں کی صورت میں آنسو بہا رہی ہیں۔

شکنتلا۔ (کچھ یاد کرکے) بابا، میں اس بیل سے جو میری بہن ہو، وہی جس کا نام بن جوت ہو، بدا ہو لوں؟

کنو۔ کیوں نہیں۔ اس سے تمھارے بہناپے کو میں جانتا ہوں۔

شکنتلا۔ (بیل کو گلے لگا کر)۔ بن جوت، اپنے بیتم آم کے پیڑ سے تو چمٹی ہوئی ہو تو کیا ہوا، اپنی ان ٹہنیوں سے جو ادھر مُڑ آئی ہیں تو مجھے بھی لپٹا سکتی ہو۔

اری، اب میں تجھ سے بہت دُور ہو جاؤں گی۔

کنو۔ حسنِ سیرت سے تو نے اپنے لائق شوہر ڈھونڈ لیا۔ اس چمیلی نے بھی

اپنے جوگ بر تلاش کر لیا۔ اب میں دونوں کی طرف سے بچنت ہوگیا۔
بیٹی، اب دیر نہ کرو، بدائی کی گھڑی ٹل رہی ہے۔
شکنتلا۔ (سکھیوں سے) ۔بہنو، اس بیل کو تمھیں سونپا۔
سکھیاں۔ لیکن ہمیں کسے سونپ کر جاتی ہو۔

(رونے لگتی ہیں)

کنو۔ یہ رونا دھونا کیسا۔ انسو یا، تمھیں تو شکنتلا کی دل جوئی کرنا ہے۔
شکنتلا۔ اچھے بابا، یہ ہرنی جو حمل کی وجہ سے کٹیا کے پاس سے آہستہ آہستہ گزر رہی ہے، جب یہ بچّے جن دے تو مجھے سندیسا بھیجنا۔
کنو۔ اچھّا، میں بھولوں گا نہیں۔
شکنتلا۔ (ٹھٹک کر) ارے یہ کون ہے جس نے میرا پلّو پکڑ لیا؟
کنو۔ یہ ہرن کا وہی بچّہ ہے جسے تو نے اپنا بیٹا بنایا تھا۔ جب گھاس کے تنکوں کی نوک سے اس کا منہ سوج گیا تھا، تو تُو نے ماں کنگنی کا تیل لگا لگا کر اُسے اچھا کیا تھا۔ اور اپنے ہاتھوں سے پال پوس کر اُسے بڑا کیا تھا۔ وہی اب تیری راہ روکے کھڑا ہے۔
شکنتلا۔ میری جان، میں تجھے چھوڑ کر جا رہی ہوں تو تُو مجھے کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ تو ہرن ماں کا ننھا سا تھا، تب سے تیری پرورش کی ہے۔ اب میں تجھے چھوڑے جاتی ہوں تو بابا تیری خبرگیری کریں گے۔ (روتی ہے)
کنو۔ بیٹی، رونے سے کیا حاصل۔ اپنی طبیعت کو سنبھالو اور ایک نظر اپنی راہ کو دیکھ لو۔ تمھاری آنکھیں اتنی ڈبڈبائی ہوئی ہیں کہ پلکیں بےحرکت ہوگئی ہیں۔ ان آنسوؤں کو پی ڈالو۔ راستے کی اونچ نیچ نہ دیکھ سکنے

کے کارن تمھارے قدم ٹھیک نہیں پڑ رہے ہیں۔
شارنگرو۔ گروجی، سنتے ہیں کہ اپنے پیاروں کو بدا کرنے کے لئے جل کنارے تک آنا چاہیے۔ لیجیے، اب یہ تالاب کا سرا آگیا۔ ہمیں حکم دے کر آپ یہیں سے لوٹ جائیے۔
کنو۔ تو پھر آؤ۔ ایک گھڑی شہتوت کے اس پیڑ کی چھانو میں کھڑے ہو جائیں۔
(سب وہاں جاکر رک جاتے ہیں)
کنو۔ (خود)۔ راجا دشینت جیسے اعلیٰ مقام کے شایان شان کیا پیغام بھیجوں۔ (سوچنے لگتا ہی)
شکنتلا۔ (علیحدہ) سکھیو دیکھو۔ چکور جو کنول کی پنکھڑیوں میں چھپ گیا ہی تو چکوی چیخ چیخ کر ہلکان ہوئی جا رہی ہی۔ مجھ سے پوچھو کہ کس مشکل سے اپنے کو ضبط کیے ہوئے ہوں۔
انسویا۔ یہ نہ کہو۔ پیاری آخر وہ بھی پہاڑ سی رات کاٹ ہی دیتی ہی۔ پھر گھڑی شب فرقت کتنی طولانی ہوتی ہی یہ سوچ لو۔ جدائی کا غم کتنا ہی جان لیوا کیوں نہ ہو لیکن امید یہ وقت بھی گزار ہی دیتی ہی۔
کنو۔ شارنگرو، شکنتلا کو آگے کر کے اس راجا کو ہمارا یہ سندیسا سنانا۔
شارنگرو۔ ارشاد۔
کنو۔ "یہ من میں رکھتے ہوے کہ اگر تم شاہ ہو تو ہم بھی گدا ہیں اور پھر یہ کہ شکنتلا نے کسی کے دباؤ سے نہیں بلکہ آزادی سے تم سے محبت کی ہی، تمھارا فرض ہی کہ اس سے دوسری رانیوں کا سا برتاؤ کرو۔ اس سے زیادہ ہونا نہ ہونا قسمت کی بات ہی۔

لڑکی والوں کو اس بارے میں کچھ نہ کہنا چاہیے۔"
شارنگرو۔ بہت خوب۔ مجھے یاد رہے گا۔
کنو۔ میری بچی، اب تمھیں ایک دو سیکھ دینا ہو۔ بن باسی ہوتے ہوئے
بھی ہم دنیا داری کو سمجھتے ہیں۔
شارنگرو۔ اہلِ نظر کو کیا نہیں معلوم۔
کنو۔ جب پیہر پہنچو تو اپنے بڑوں کی خدمت سے کبھی گریز نہ کرنا،
اپنی سوتوں سے سکھیوں کا سا برتاؤ کرنا، شوہر کبھی بھلا بُرا کہہ بھی
دے تو اُلٹ کر جواب نہ دینا، نوکروں سے ہمیشہ اچھا سلوک
کرنا، عیش و نشاط میں رہ کر کبھی نخوت کا سبق نہ لینا۔
جب لڑکیاں یہ چلن اختیار کرتی ہیں، تو شریف زادیاں
کہلاتی ہیں۔ اور جو اُلٹی راہ چلیں تو اپنے خاندان کو کلنک لگاتی
ہیں۔ کیوں گوتمی دیوی، کیا رائے ہو۔
گوتمی۔ دولھن کے لیے اس سے اچھی اور کیا نصیحت ہوسکتی ہو
جانِ من، اسے گرہ میں باندھ رکھو۔
کنو۔ بیٹی، آؤ اب ہم سب سے گلے مل لو۔
شکنتلا۔ بابا، کیا میری سہیلیاں یہیں سے لوٹ جائیں گی۔
کنو۔ بیٹی، کبھی ان کا بھی بیاہ کرنا ہو۔ ان کا وہاں جانا اچھا نہیں۔ گوتمی
تمھارے ساتھ جائیں گی۔
شکنتلا۔ (باپ کے گلے سے لپٹ کر) جیسے چندن کا پیڑ میسور کی پہاڑی
سے ہٹا دیا جائے، ویسے ہی اپنے ابا کی گود سے دُور دراز کسی
پرائے گھر میں زندگی کیسے بسر کروں گی۔

کنو۔ بیٹی، تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔ جب تمھارا بلند اقبال شوہر تمھیں مہارانی کا منصب دے گا، جب اُس کے ساتھ راج پاٹ کے دھندوں میں پھنس جاؤگی، جب ایک بھاگوان بیٹے کو جنم دوگی جیسے پورب اپنی کوکھ سے سورج کو نکالتا ہے۔ تو پھر ہماری جدائی کا غم بالکل بھول جاؤگی۔

(شکنتلا باپ کے قدموں پر گر پڑتی ہے)

کنو۔ میرے آشیرباد سے تیری سب تمنائیں بر آئیں گی۔

شکنتلا۔ (سکھیوں سے)۔ بہنو، تم دونوں ایک ساتھ مجھے گلے لگاؤ

سکھیاں۔ (گلے لگاکر) پیاری، اگر وہ راجا تمھیں جلدی نہ پہچان سکے تو اُسے یہ انگوٹھی دکھا دینا جس پر اس کا نام کندہ ہے۔

شکنتلا۔ اس وسوسے سے میرا کلیجہ دھک سے ہوگیا۔

سکھیاں۔ ڈرنے کی کیا بات ہے محبت بدگمان ہوتی ہی ہے۔

شارنگرو۔ بہن جی، اب دن پہر سے زیادہ چڑھ گیا، جلدی کیجیے

شکنتلا۔ (آشرم کی طرف مڑکر)۔ بابا، اب یہاں آنا کب نصیب ہوگا؟

کنو۔ سُنو۔ جب تم دھرتی کی سوت[1] بن کر بہت دنوں رہ چکوگی اور اپنے نونہال کے لیے دُنیا کو بیریوں سے پاک کرلوگی، تب تمھارا شوہر راج کا بھار اُس کے ہاتھ سونپ کر تمھارے ساتھ اس آشرم میں چلا آئے گا۔[2]

گوتمی۔ دلاری، دیکھو، بدائی کا لگن ٹلا جارہا ہے۔ اب اپنے بابا کو رخصت کرو۔ گرو جی، آپ ہی لوٹ جائیں۔ یہ تو برابر یوں ہی کیے جائے گی۔

---

[1] دیکھیے صفحہ ۴۸ کا حاشیہ ۔ [2] پُرانک تلمیحات۔۷

شکنتلا۔ (دوبارہ کنو کے سینے سے لپٹ کر) بابا، آپ کا تن تپسیا کے مارے سوکھ کر کانٹا ہوا جا رہا ہے۔ میری یاد میں زیادہ بے کل نہ ہونا۔

کنو۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر)۔ بیٹی، جب میں کُٹیا کے سامنے ان دھان کی بالوں کو سر ہلاتا دیکھوں گا جنھیں تو پوجا میں چڑھایا کرتی تھی تو میرا دل کیسے نہ بھر آئے گا۔

اب سدھارو۔ جاؤ، بھگوان کو سونپا۔

(شکنتلا سنگیوں کے ساتھ جاتی ہے)۔

سکھیاں۔ (شکنتلا کو دیکھتی ہوئیں) ہائے ہائے! گھنی جھاڑیوں نے شکنتلا کو چھپا لیا۔

کنو۔ (آہ بھر کر) انسویا، تمھاری سہیلی چلی گئی، اپنے کو سنبھالو اور میرے ساتھ آؤ۔

(سب جانے لگتے ہیں)

سکھیاں۔ بابا، شکنتلا بنا یہ آشرم کیسا سُونا سُونا سا لگتا ہے۔

کنو۔ یہ محبت کا کرشمہ ہے (سوچتے ہوئے) اُف، اوہ! شکنتلا کو اس کے سسرال بھیج کر ایسا لگ رہا ہے کہ ایک بڑا بار اُتر گیا، اس لیے کہ بیٹی آخر پرایا دھن ہی ہے، آج اُسے پیہر بھیج کر ایسا ہی اطمینان ہو رہا ہے جیسا کسی کی امانت لوٹا کر۔

ڈراپ

پانچواں ایکٹ

مقام - راج محل

(راجا اور مادھو بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں)

مادھو۔ (کان لگاکر) سرود خانہ سے یہ کیسی آواز آرہی ہی۔ کوئی میٹھے میٹھے بانکے گیت کس اُستادی سے گا رہا ہی۔ میرا خیال ہی کہ رانی ہنس پادِکا، سرگم کی مشق کر رہی ہیں۔

راجا۔ سُن تبھی سکتا ہوں جب تم اپنی بڑ بند کرو۔

(دُور سے گانے کی آواز):-

بھونرے، تو ہے مدھ کا لوبھی
پہلے آم مَور کو چُوم کر
کنولوں پر اب جھُوم جھُوم کر
ایک گھڑی ان کے دل بِیچ رہ
بھول گیا تو ہم کو پیارے

راجا۔ اس نغمے میں کتنا سوز ہی۔

مادھو۔ کیا آپ سچ مچ اس گیت کا اصل مطلب سمجھ گئے۔

راجا۔ (مسکراکر) ہاں سمجھا! پہلے میں اس کا فریفتہ تھا، اب وسومتی کا شیدائی ہوں۔ اسی لیے وہ مجھے طعنہ دے رہی ہی۔ بھئی مادھو، اس سے کہ آؤ کہ اِس اُلاہنے پر میں ریجھ گیا۔

مادھو۔ بہت اچھا۔ (اُٹھ کر) جیسے کسی حور کے دام میں آکر زاہد کی خیر نہیں، ویسے ہی میرے لیے بھی پناہ کی کوئی راہ نہیں۔ رانی صاحبہ دوسروں کے ہاتھ سے میری وہ مرمت کرائیں گی کہ چندیا گنجی ہو جائے گی۔

راجا۔ ہاں، جاؤ بھی۔ شرافت سے پیش آؤ گے تو یہ نہ ہوگا۔

مادھو۔ دیکھیے کیا گت بنتی ہے۔ (جاتا ہے)

راجا۔ (خود) کیا بات ہے کہ یہ گیت سن کر میرا دل آپ ہی آپ بھر آیا حالانکہ کسی پیارے کے بجوگ کی کھولن بھی نہیں ہے۔

یا یہ بات ہے کہ حسین چیزوں کو دیکھ کر اور شیریں نغموں کو سن کر اگر کسی شاد کام کا دل آپ ہی آپ درد سے بھر آئے تو سمجھنا چاہیے کہ کوئی نامعلوم جذبہ پچھلے جنم کے دوستوں کی یاد دلا رہا ہے۔ (بے چینی کا اظہار کرتا ہے)

(حاجب داخل ہوتا ہے)

حاجب۔ (خود) وائے بر حالِ ما، نوبت بہ ایں جا رسید کہ جو چھڑی مدتوں سے میرے منصب کی نشانی تھی، اب اسی سے سہارے کی لاٹھی کا کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ چلنے میں میرے پاؤں کانپنے لگتے ہیں۔

یہ تو سچ ہے کہ مہاراج کو دھرم کاج کا دھیان رکھنا چاہیے لیکن وہ تو ابھی ابھی دربار سے اُٹھ کر آئے ہیں۔ اُن سے اسی وقت جا کر نہیں کہا جاتا کہ کنو رشی کے چیلے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کے آرام میں خلل ہوگا۔

مگر میاں، یہ بھی واقعہ ہے کہ پالن ہاروں کو آرام کب میسر۔ سورج
کی سواری جو ایک بار سفر پر روانہ ہوئی تو کہیں نہ تھمی۔ اور ہوا جو
چلی تو چلی ہی چلی۔ پھر شیش ناگ[۱] کو دیکھو کہ ان کی کھوپڑی پر زمین کا
بوجھ ایک بار لادا گیا تو چھن بھر کے لیے نہ اُترا۔ یہی حال ہمارے
مہاراج کا ہے۔
بھئی ہیں بکھیلے میں کیوں پڑوں۔ سندیسا سُنا دوں۔
(جھانک کر) اپنی اولاد کی طرح پرجا کی پرورش کر کے حضور
تھک گئے ہیں اور کنج تنہائی میں آرام کر رہے ہیں۔ ہاتھیوں کا
راجا بھی دن بھر اپنے گلّے کی رہبری کر کے دھوپ کا مارا کوئی
ٹھنڈی جگہ ڈھونڈتا ہی ہے۔
(قریب جاکر) مہاراج کی جے ہو۔
ہمالیہ کی ترائی کے باسی، دو سادھو دو دیویوں کے ساتھ آئے
ہیں اور کنو رشی کا کوئی سندیسا لائے ہیں۔ کیا حکم ہوتا ہے؟
راجا - (حیرت سے) کیا کہا؟ سادھو اور عورتیں! کنو رشی کا سندیسا[۲]!
حاجب - جی ہاں -
راجا - سومارت، پُروہت سے کہو کہ وہ ریت کے مطابق ان کی آؤبھگت
کریں۔ پھر اپنے ساتھ انھیں میرے پاس لائیں۔ میں بھی کسی ایسے
مقام پر جاکر ان کا انتظار کرتا ہوں جو سادھوؤں کے مناسب ہو۔
حاجب جو حکم سرکار۔ (جاتا ہے)
راجا - (اُٹھ کر) ویترونی، آتش کدہ کی راہ کون سی ہے؟

---

[۱] پُرانک تلمیحات - ۸ + [۲] بد دعا کی وجہ سے راجا تپ بن کا قصہ بالکل بھول چکا ہے۔

چوب دار۔ سرکار ادھر تشریف لائیں۔

راجا۔ (ٹہلتے ہوئے۔ یہ جتا کر کہ وہ کثرتِ کار سے تھک گیا ہے)۔ ہر آدمی اپنے مقصد کو پا کر اطمینان کی سانس لیتا ہے۔ لیکن حکومت کو اطمینان سے کیا واسطہ۔ جب راج مل جاتا ہے تو ایک کھٹکا دُور ہو جاتا ہے لیکن جو مل گیا وہ کھو نہ جائے، یہ تردّد کیا کچھ کم ہے۔ حکومت چھتری کی طرح ہے۔ اگر اس کی ڈنڈی اپنے ہاتھ میں تھامے رہو تو تھکن گھٹنے کے بجائے بڑھ جاتی ہے۔

(پسِ پردہ۔ دو بھاٹوں کی آواز) حضور کا اقبال دو بالا ہو۔

ایک بھاٹ۔ آپ اپنے عیش و آرام کو تج کر صبح و شام پرجا سیوا میں لگے رہتے ہیں۔ یہی آپ کا دھرم ہے۔ پیڑ کا سبھاؤ بھی یہی ہے کہ اپنی پھننگ پر سورج کی کرنوں کو سہے۔ لیکن اپنی چھپاؤں میں بیٹھنے والوں کو ٹھنڈک پہنچائے۔

دوسرا بھاٹ۔ اپنے انصاف سے بھٹکے ہوؤں کو نیت کی ریت سکھاتے ہیں اور پرجا میں امن قائم رکھتے ہیں۔ دھن مال ہو تو بھائی بند بہت مل جاتے ہیں۔ لیکن کنگالی میں ناتا نباہنے والا ایک آپ ہی کا دم ہے۔

راجا۔ یہاں آ کر میری تھکن ہرن ہو گئی۔

چوب دار۔ سرکار، آتش کدے کی چاندنی لیپ چھیت کر جھل جھلا رہی ہے۔ ہون کی گائے بھی وہیں بندھی ہوئی ہے۔ سیڑھیوں پر ہو کر وہیں چلیے۔

راجا۔ (اوپر چڑھتے ہوئے، نوکروں کے کاندھے کا سہارا لے کر)

کیوں جی، کنو رشی نے یہ سادھو کس غرض سے بھیجے ہوں گے؟ کہیں جوگیوں کے دھرم کاج میں کوئی رخنہ تو نہیں پڑا، یا کوئی پاپی ان کے جانوروں کو ستا رہا ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے کسی پاپ کے کارن آشرم کے پودوں کی باڑھ ماری گئی۔ اس حیص بیص سے میرا جی اُلجھ رہا ہے۔

چوب دار۔ میرے خیال میں تو یہ سادھو آپ کی رعایا پروری سے خوش ہوکر مبارک باد دینے آئے ہیں۔

(شکنتلا کو ساتھ لیے ہوئے گوتمی اور چیلے آتے ہیں۔ حاجب اور پجاری، سومارت، آگے آگے ہیں)

دربان۔ صاحبو، ادھر آؤ۔

شارنگرو۔ (علیحدہ) بھائی شاردوت، اس میں شک نہیں کہ یہ راجا بڑا پرتاپی ہے۔ کبھی راہِ راست سے نہیں ڈگتا اور اس کے راج میں نیچ ذات والے بھی دھرم کی ڈگر سے نہیں ہٹتے۔ مگر اسے کیا کروں کہ میری تنہائی پسند طبیعت اس بھیڑ بھاڑ سے گھبراتی ہے اور مجھے اس آنگن میں ہر طرف آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔

شاردوت۔ (علیحدہ) شہر میں آکر مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔ ان عشرت پسندوں کو میں خود اس نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے کوئی پاک صاف، کسی نجس ناپاک کو، کوئی ہوشیار کسی نیند کے ماتے کو یا کوئی آزاد کسی غلام کو دیکھتا ہے۔

شکنتلا۔ (بدشگونی کا اظہار کرکے)۔ ہائے! میری داہنی آنکھ کیوں پھڑکنے لگی؟

گوتمی۔ بیٹی، دُکھ کے دن بیت گئے۔ تیرے نیہر کے دیوتا تیرا بھلا کریں۔
پجاری۔ (راجا کی طرف اشارہ کر کے)۔ سنیاسیو! ہمارے راجا کے
پاس ادب کو دیکھا کہ پہلے سے کرسی چھوڑ کر تمہارا انتظار
کر رہے ہیں۔
شارنگرو۔ پجاری جی! یہ ان کا بڑپن ہے۔ اور ہم سے پوچھو تو یہی ان کا
فرض تھا۔

پھل آئے تو پیڑ جھک ہی جائیں گے۔ برکھا آئی تو بادل نیچے
اتر ہی آئیں گے۔ یہی حال اچھوں کا ہے کہ دولت انھیں جھکاتی
ہے۔ دوسروں کا بھلا کرنے والوں کا یہی چلن ہے۔
چوب دار۔ مہاراج! ان سب کے چہرے تو خوشی کے مارے کھلے ہوئے
ہیں۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کارِ خیر کے لیے آئے ہیں۔
راجا۔ (شکنتلا کو دیکھ کر)۔ جوگیوں کے جھنڈ میں گھونگھٹ کاڑھے ہوئے
یہ سُندری کون ہے؟ سوکھی پتّیوں میں یہ نئی کونپل کہاں سے آئی؟
چوب دار۔ سرکار، میری عقل بھی کام نہیں کرتی۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ اس
کا جمال دیدار کے قابل ہے۔
راجا۔ پرائی عورت سے تاک جھانک ٹھیک نہیں۔
شکنتلا۔ (کلیجہ تھام کر۔ خود) ارے دل! تو ناحق بیٹھا جا رہا ہے۔ پیتم کے
اس پیار کو یاد کر اور دھیرج رکھ۔
پجاری۔ (آگے آ کر) مہاراج، ان کی آؤ بھگت کی رسم ہم ادا کر چکے۔
اب یہ اپنے گرو کنو کا کوئی سندیسا سُنانا چاہتے ہیں۔ اسے
سُننے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

راجا۔ (احترام سے) میں جی لگا کر سُن رہا ہوں۔
دونوں سادھو۔ (ہاتھ اُٹھا کر) مہاراج کی جے ہو۔
راجا۔میں آپ سب کو پرنام کرتا ہوں۔
دونوں سادھو۔آپ کی مُرادیں برآئیں۔
راجا۔آپ کے جپ تپ میں کوئی روک ٹوک تو نہیں ہے؟
شارنگرو۔جب تک آپ اس جہان کے ایمن ہیں۔تب تک دھرم کاج
میں رکاوٹ کا اندیشہ کیسے ہوسکتا ہے۔سورج کے چمکتے اندھیرے
کا کیا کھٹکا؟
راجا۔آپ کے اتنا کہنے سے میں راجا کہلانے کا مستحق ہوگیا۔کنو رشی
کا دم دُنیا کے بھلے کے لیے غنیمت ہے۔اُن کا مزاج تو بخیر ہے۔
شارنگرو۔خیریت تو رشیوں کی لونڈی ہے۔ہمارے گرو نے اشیرباد کے
بعد یہ سندیسا بھیجا ہے۔
راجا۔اسے سُننے کا میں مشتاق ہوں۔
شارنگرو۔سُنیے "آپ دونوں نے آپس کی رضامندی سے پریم بیاہ
کیا اور میں نے اس فعل کو پسند کیا۔کیونکہ ہماری نظر میں آپ نیکوں
کے سرتاج ہیں اور شکنتلا ستیوں کی رانی ہے۔اب تک بھگوان
کو اُلاہنا ملتا رہا کہ انمیل جوڑی ملاتے ہیں۔لیکن دُشینت اور
شکنتلا کی جوڑی ملا کر اُس نے یہ کلنک دھو دیا۔اب دھرم شاستر
کے مطابق اس معاملہ کو قبول کیجیے"۔
گوتمی۔راجا صاحب، مجھے بھی کچھ کہنا ہے، لیکن سوچتی ہوں کہ کہوں یا
نہ کہوں۔اس نے اپنے بڑے بوڑھوں سے نہیں پوچھا اور

نہ آپ نے بھائی بندوں کی رائے لی۔ اس صورت میں کسی تیسرے
کو کچھ بولنے کا حق نہیں رہ جاتا
شکنتلا۔(خود) اب اپنے مالک کا جواب سُننا ہو۔
راجا۔(اچنبھے سے) یہ کیسا سوانگ ہو؟
شکنتلا۔(خود)۔ ارے، جیسے کسی نے مجھے دہکتی آگ میں جھونک دیا۔
شارنگرو۔ ایں، آپ نے یہ کیا کہا۔ آپ تو دُنیا کی راہ و رسم سے بخوبی
واقف ہیں۔ کوئی سُہاگن اگر میاں کے جیتے جی اپنے میکے میں جا
رہے تو لوگ انگشت نمائی کرتے ہیں، چاہے وہ کیسی ہی ستی ساوتری
ہو۔ اس لیے وہ اپنے پیا کی پیاری ہو یا نہ ہو، لیکن گھر والوں کی یہی
مرضی ہوتی ہو کہ جوان عورت پیہر میں رہے۔
راجا۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس دیوی سے کبھی میرا بیاہ ہوا تھا۔
شکنتلا۔(مایوس ہو کر۔ خود) اے کمبخت دل! اے، تیرا وسوسہ صحیح نکلا۔
شارنگرو۔ اگر کوئی غلطی سرزد ہو بھی گئی ہو تو کیا ایک راجا کے لیے یہ
زیبا ہو کہ وہ اپنے دھرم کو بھول جائے۔
راجا۔ مگر اس بے بنیاد قیاس کا ثبوت کیا ہو؟
شارنگرو۔(غصے سے) دولت کا نشہ نیت کو ڈانواں ڈول کر دیتا ہو۔
راجا۔ میں اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتا۔
گوتمی۔(شکنتلا سے) بیٹی، پل بھر کے لیے لاج شرم چھوڑ دو۔ لاؤ، میں
گھونگھٹ ہٹا دوں تو شاید تمھارا دولھا پہچان جائے۔
راجا۔(شکنتلا کو دیکھ کر۔ خود) اس کا حُسن ابھی نو بہار ہو لیکن یہ بیاہی ہو
یا کنواری، یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہو۔ اس دبدھا کے کارن نہ اسے

بُھولا جاتا ہی اور نہ چھوڑا جاتا ہی (میری حالت اُس بھونرے کی سی ہی'
صبح سویرے کنوَل کے دل کے اندر اوس کی بوُند دیکھ کر جس سے
نہ بیٹھتے بنتا ہی اور نہ بھاگا جاتا ہی۔

(سوچ میں پڑ جاتا ہی)

چوب دار۔ (خود) ہوں' سرکار نے دھرم کی بیخ خوب نکالی۔ گھر بیٹھے
ایسی پری آئے تو پھر کون ہچر مچر کرتا ہی۔

شارنگرو۔ راجا صاحب' آپ نے چُپ کیوں سادھ لی؟

راجا۔ صاجو' میں بار بار غور کرتا ہوں لیکن زرا یاد نہیں پڑتا کہ میں
نے اس سے کبھی لگن لگایا تھا۔ پھر اس حالت میں کہ وہ حمل سے ہی'
میں اسے کیسے اپنا لوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا کہ پرائی
عورت کو گھر ڈال لیا۔

شکنتلا۔ (خود) ہائے ری قسمت! اُنھیں تو بیاہ سے ہی ایک سرے
سے انکار ہی۔ آہ' میری تمناؤں کا طلسم ٹوٹ گیا۔

شارنگرو۔ ایسا نہ کہیے راجا صاحب۔
کیا آپ کو یہی زیبا ہی کہ اُس رِشی کو اس طرح ذلیل کیجیے جس
کی بیٹی کو چھل کر آپ نے لاج بگاڑی مگر وہ دل پر ملال نہ
لایا اور آپ کے بیاہ کو مان گیا۔ ایک اپنے کو دیکھو اور ایک اس
کی بھل منساہٹ کو کہ جس کا مال چرایا اب وہی یہ مال چور کے
پاس اس لیے بھیج رہا ہی کہ وہ ساؤ کہلائے۔

شاردوت۔ بھائی جان' تم اب چُپ کرو۔
شکنتلا' ہمیں جو کہنا تھا کہہ چکے۔ راجا کا جواب بھی تم نے سُن لیا

اب تم خود اس پر اپنی سچّائی ثابت کرو۔

شکنتلا۔(خود) ارے، اس محبت کی یاد دلانے سے کیا حاصل جس کا انجام یہ ہونا تھا۔ مگر اپنے کو رُسوائی سے بچانے کے لیے کچھ کہنا ہی پڑے گا۔

(بآواز) میرے سوامی —— (کہتے کہتے رک کر) جب شادی ہی سے انکار ہے تو یوں پکارنا ٹھیک نہیں۔

راجا صاحب، آشرم میں جھوٹے وعدے وعید کر کے جس بھولی بھالی کو آپ ایک بار دھوکا دے چکے ہیں اُسے اس بے دردی سے ٹھکرانے کا بیاؤ آپ نہ کریں گے تو کون کرے گا؟

راجا۔(کان پر ہاتھ رکھ کر) توبہ کر لڑکی، توبہ کر۔ اپنے گھرانے کو رسوا کیا سو کیا، مجھ غریب کو بھی اپنے ساتھ لپیٹے میں کیوں لیتی ہے تیری مثال تو اس ندی کی ہے جو اپنے کنارے کو کاٹنے گئی تھی۔ پیڑوں کو گرایا سو الگ اپنے پانی کو بھی گندلا کر آئی۔

شکنتلا۔اگر آپ سچ مچ پرائی عورت سمجھ کر ہی مجھ سے یہ برتاؤ کر رہے ہیں تو میں نشانی کی انگوٹھی دکھا کر ابھی سب بھرم دور کیے دیتی ہوں۔

راجا۔ بیشک مجھے یہ منظور ہے۔

شکنتلا۔(انگلی دیکھ کر)۔ارے غضب! ہائے! میری مندری کہاں گر پڑی؟

گوتمی۔جب تم بستی تیرتھ کے پاس گنگا جی میں کھڑی پوجا کر رہی تھیں۔ تبھی تمھارا چھلا گر پڑا ہوگا۔

راجا۔ (ہنس کر) کون کہتا ہے کہ عورتیں حاضر جواب نہیں ہوتیں۔
شکنتلا۔ ارے، یہ تو قسمت کی بات ہے۔ لیکن میں ایک واقعے کی یاد دلا سکتی ہوں۔
راجا۔ خوب!! دیکھنے کا جگ بیت گیا۔ اب سُننے کی باری ہے۔
شکنتلا۔ ایک دن بیدوں کے کُنج میں، کنول پنکھڑیوں کے دونے میں رکھا ہوا پانی آپ نے چلّو میں اُنڈیلا۔
راجا۔ جی، پھر کیا ہوا؟
شکنتلا۔ اِسی سمے، میرا منہ بولا بیٹا ہرن کا وہ چھونا وہاں آگیا۔ آپ نے ترس کھا کر یہ کہتے ہوئے پانی اُس کی طرف بڑھایا کہ اُسے پہلے پی لینے دو، لیکن آپ کو اجنبی جان کر وہ پاس آتے گھبرایا پھر وہی پانی جب میں نے اپنے ہاتھ سے بڑھایا تو وہ پی گیا۔ اس سے جل کر آپ نے طعنہ دیا۔ سب اپنے بھائی بندوں پر بھروسا کرتے ہیں، آخر تم دونوں جنگلی جو ٹھیرے!
راجا۔ ان غمزوں کا جادو کسی دل پھینک پر آسانی سے چل سکتا ہے، مطلب سادھنے کا یہ ڈھب اچھا ہے۔
گوتمی۔ مہاراج، ایسی بات منہ سے نہ نکالیے۔ یہ آشرم میں پلی بڑھی ہے، فن فریب کیا جانے۔
راجا۔ بڑی بی! انسانوں کا تو کہنا ہی کیا۔ حیوان مادائوں میں بھی بے سکھائے پڑھائے یہ وصف پایا جاتا ہے۔ پھر اُن کا ذکر ہی کیا جنھیں شعور ہوتا ہے۔ کویل کو دیکھیے کہ کس چالاکی سے اپنے بچّوں کی پرورش کوّوں سے کراتی ہے۔

شکنتلا۔ (غصّے کے مارے تھرتھراتی ہوئی) کمینے کہیں کے! ساری دُنیا کو تو اپنے جیسا سمجھتا ہے؟ کیا جانتی تھی کہ دھرم کے اس بھیس کے نیچے چھل کپٹ، گھاس پھوس سے ڈھنکے ہوئے اندھے کنوئیں کی طرح چھپا ہوا ہے۔ پھر بھلا کون تیرا بھید پا سکتا ہے۔

راجا۔ (خود) اس عورت کا غصّہ بناوٹی نہیں ہے۔ لیکن اس کا کارن بس اتنا ہے کہ بن باسی بناوٹ کو کیا جانیں۔ وہ کن انکھیوں سے نہیں دیکھتی، آنکھوں میں لہو اُتر آیا ہے۔ کس دُرشت پیرایے میں بول رہی ہے۔ اور زبان ہے کہ رُکنے کا نام نہیں لیتی۔ گلاب کی پنکھڑی کے سے ہونٹ یوں کانپ رہے ہیں جیسے جاڑے کے مارے کٹ گئے ہوں۔ اور بھنویں جو پہلے سے خم دار تھیں اب اور بھی ٹیڑھی ہوگئی ہیں۔ اس کے غصّے نے، جس کے حقیقی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ میری سمجھ بوجھ کو بھی چکّر میں ڈال دیا ہے۔ جب مجھے اس کے ساتھ بیاہ ہونے کی یاد نہ آئی اور میں برابر یہی کہتا رہا کہ ہم میں تم میں کبھی پیت بیوہار نہیں ہوا تو غصّے کے مارے اس کی آنکھیں اس طرح چڑھ گئیں گویا ابرو کو لچا کر کام دیو کی کمان کو ابھی توڑ دیں گی۔

(باآواز)۔ دیوی، دُشینت کی طبیعت سے سارا زمانہ واقف ہے۔ ایسی حرکت ہماری رعایا میں بھی نہ کسی نے دیکھی نہ سُنی۔

شکنتلا۔ زمانے کی خوبی دیکھو کہ منہ درمنہ مجھے آوارہ بتایا جا رہا ہے۔ پرو کے بنس کی شرافت پر بھروسا کرکے مجھ نصیب جلی نے اس مارِ آستین کو سب کچھ سونپ دیا۔ کیا جانتی تھی کہ اس کی زبان پر

شہد ہو لیکن دل میں ہلاہل بھرا ہؤا ہو۔ (منہ ڈھک کر رونے لگتی ہو)

شارنگرو۔ سُن لو کہ نفس کو بے لگام چھوڑ دو گے تو انجام کاریؤں ہی جلوگے۔ جب تک ایک دوسرے کو اچھی طرح جانچ پرکھ نہ لو کسی سے دل نہ لگاؤ۔ بِنا جانے بوجھے پریم کرو گے تو ایک نہ ایک دن نا امیدی کا منہ دیکھو گے۔

راجا۔ ایک لڑکی کی بات پر ایسا اٹل ایمان کہ ساری تہمت میرے سر منڈھی جا رہی ہی۔

شارنگرو۔ سُن لیا بڑے لوگوں کا بڑ بول! جس نے جنم دن سے آج تک فریب کا نام نہیں سُنا اُس کا بیان سفید جھوٹ! اور جو دھوکا دھڑی کو علم سمجھ کر سیکھتے ہیں اُن کی بات پتھّر کی لکیر!

راجا۔ خیر یہی سہی۔ آپ سچّے میں جھوٹا۔ لیکن یہ تو کہیے کہ اس سے گھات کر کے مجھے ملے گا کیا؟

شارنگرو۔ جہنّم کی آگ!

راجا۔ کون باور کر سکتا ہو کہ پُرو کی اولاد جان بوجھ کر جہنّم کی طرف جائے گی۔

شارودوت (راجا سے مخاطب ہو کر)۔ جو بھی ہو، یہ آپ کی جورو ہی۔ آپ جانیے آپ کا کام جانے۔ رکھیے یا چھوڑ دیجیے۔ بیوی پر شوہر کو ہر قسم کا اختیار ہی۔

(شارنگرو سے) بھائی جان، اِس حجّت سے کیا حاصل؟ ہم نے گرو جی کا کہا پورا کر دیا، اب واپس چلنا چاہیے۔ گوتمی ماتا، آپ آگے ہولیں۔ (سب جانے لگتے ہیں)

شکنتلا۔ (چیخ کر) یہ کیا؟ اس کپٹی نے مجھے تج دیا اور اب تم بھی مجھے ٹھکرا رہے ہو۔

گوتمی۔ (رُک کر) بیٹا شارنگرو، شکنتلا پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی ہمارے پیچھے دوڑ رہی ہو۔ جس بدنصیب کو اس کا شوہر اس بے دردی سے ٹھکرا دے، وہ کرے بھی کیا۔

شارنگرو۔ (لوٹ کر، غصّے سے) کیوں ری بے حیا، تو اتنی سرکش ہو چلی۔
(شکنتلا ڈر کے مارے کانپنے لگتی ہی)

شارنگرو۔ اگر راجا سچ کہتا ہو تو تیرے باپ کو تجھ سے اب کیا واسطہ؟ تونے خود خاندان کے بندھنوں کو توڑا ہی۔ اور اگر تو سچی ہو تو تیرا دھرم ہو کہ شوہر لونڈی بنا کے رکھے تب بھی اس کے قدموں میں پڑی رہ۔

راجا۔ سادھو، مہاراج، آپ اس بے چاری کو کیوں چکمہ دیتے ہیں۔ چاند صرف جل سوسن کی منہ بند کلی کو کھلاتا ہو اور سورج فقط کنوّل کے دل کی کنڈی ہلاتا ہو۔ اسی طرح دین دار کبھی پرائی عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔

شارنگرو۔ مگر آپ جیسوں کو دھرم ادھرم کا کیا ڈر۔ آج کوئی نئی نویلی مل گئی تو آپ کو پچھلی باتوں کی سدھ کب رہ جاتی ہی۔

راجا۔ (اپنے پجاری سے) پنڈت جی، اب تمہیں اس گتھی کو سلجھاؤ۔ جانے، یہ عورت جھوٹ بولتی ہی یا میرا دماغ خراب ہو گیا ہی۔ اب تو میں اسی اُلجھن میں ہوں۔ پرائی عورت کو چھونے کا پاپ لوں یا اپنی بیوی کو گھر باہر کر دوں۔

پجاری ۔ (سوچ بچار کر) مہاراج، ایک کام کیجیے۔
راجا ۔ فرمائیے، فرمائیے ۔
پجاری ۔ زچگی تک اس خاتون کو میرے گھر رہنے دیجیے۔
راجا ۔ اس سے کیا ہوگا؟
پجاری ۔ بڑے بڑے رشی منیوں نے پیشین گوئی کی ہے کہ آپ کی پہلی اولاد ایک لڑکا ہوگا جو دُنیا پر راج کرے گا ۔ اگر اِس رشی کماری نے بیٹا جنا اور اس میں وہ سب لچھّن ہوے تو آپ اسے رانی بنائیں ۔ نہیں تو اسے تپ بن بھجوا دیں ۔
راجا ۔ آپ کی مرضی ہو تو یہی کیجیے۔
پجاری ۔ بیٹی، میرے ساتھ آؤ ۔
شکنتلا ۔ دھرتی ماتا، تیری گود میں بھی میرے لیے جگہ نہیں؟ تو مجھے نگل کیوں نہیں جاتی؟

(روتی ہوئی پجاری کے ساتھ جاتی ہے ۔ اور سب بھی چلے جاتے ہیں ۔ اکیلا راجا اِس قصّے پر غور کرتا ہوا رہ جاتا ہے، بددُعا کی وجہ سے وہ سب کچھ بھولا ہوا ہے)

(پسِ پردہ) ۔ کتنی عجیب بات ہے! معجزہ ہے معجزہ!
(پجاری بھاگا ہوا آتا ہے ۔ حیرت کے مارے مبہوت ہے)
مہاراج، اِتنی عجیب بات ہوئی!
راجا ۔ کیا ہوا بھئی؟
پجاری ۔ جب کنو کے چیلے چل دیے تو وہ لڑکی اپنا سر پیٹنے لگی اور سینہ کوٹنے لگی ۔

راجا - ہاں، تو پھر؟
پجاری - اسی وقت ایک جوت عورت کے روپ میں اوپر سے اُتری اور اسے گود میں اُٹھاکر، اپسرا تیرتھ، کی طرف اُڑ گئی۔
(سب بھونچکّے سے رہ جاتے ہیں)
راجا - پنڈت جی، ہم نے تو پہلے ہی اسے اپنانے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر آپ کیوں ہک دھک ہوے جاتے ہیں۔ جائیے، اپنا کام کیجیے۔
پجاری - (دیکھتے کا دیکھتا رہ جاتا ہی) بہت اچّھا سرکار۔ (جاتا ہی)
راجا - ویترووتی، میرا دل گھبرانے لگا۔ مجھے خواب گاہ تو لے چلنا۔
چوب دار - حضور ادھر تشریف لائیں۔
راجا - (چلتے چلتے۔ خود) مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس دوشیزہ سے کبھی میں نے دِل لگایا تھا۔ لیکن میرا دکھتا ہؤا دل کہتا ہی کہ نہیں وہ سچّی تھی۔

ڈراپ

چھٹا ایکٹ

شہر کی ایک گلی

تمہیدی منظر

(کوتوال - جو راجا کا سالا ہوتا ہو - اور دو پیادے ایک شخص کو باندھ کر لاتے ہیں)

پیادہ - (قیدی کو پیٹتے ہوئے) ابے چور! بتلا تو سہی، یہ انگوٹھی تیرے ہاتھ کیسے لگی - ایسی جڑاؤ انگوٹھی! اور اس پر تو راجا کا نام کھدا ہوا ہو -

قیدی - مجھ پر رحم کھاؤ - میں چوری کیوں کرنے لگا۔

پیادہ - اخاہ! گویا آپ ایسے ہی مہاتما ہیں کہ راجا نے یہ انگوٹھی آپ کی نذر کردی!

قیدی - بابا، میری بھی تو سنو - میں شچی تیرتھ کا دھیور ہوں -

پیادہ - بدمعاش کہیں کے! ہم تیری ذات پات پوچھتے ہیں؟

کوتوال - یارو، اسے بھی تو کچھ کہنے دو، بیچ میں نہ ٹوکو -

دونوں پیادے - کوتوال صاحب جو کہتے ہیں وہی کریے -

قیدی - جال اور بنسی سے مچھلی پکڑ کر میں روٹیاں کماتا ہوں -

کوتوال - (ہنس کر) کتنا شریف پیشہ ہو! -

قیدی - سرکار یہ نہ کہیے - بھلا ہو یا بُرا، مگر کسی کے دھندے کو حقیر سمجھنا اچھا نہیں - بے زبان جانوروں کا قتل ظلم ہے، مگر وید پڑھنے والے برہمن قربانی کے لیے انھیں مارتے ہی ہیں -

کوتوال - پھر ن ترانی ہانکنے لگا - کام کی بات کر -

قیدی - ایک دن میں روہو مچھلی کا پیٹ چیر رہا تھا کہ اس میں سے ہیرا جڑی انگوٹھی نکلی - میں اسے بیچنے کے لیے بازار لے گیا کہ آپ لوگوں نے دھر لیا -

میں نے سچ سچ کہہ دیا - اب جی چاہے تو مار دو، جی چاہے تو چھوڑ دو -

کوتوال - بھئی پیادو، اس کے بدن سے مچھلی کی بُو تو آتی ہے - اس کے دھینوّر ہونے میں تو شک نہیں - مگر انگوٹھی کے معاملے کی جانچ پوری طرح ہونی چاہیے - چلو اسے سرکار میں لے چلیں -

پیادے - بہت خوب ! چل بے گرہ کٹ، چل !

(سب چلتے ہیں)

کوتوال - تم دونوں شہر دروازے کے سامنے اس کی چوکسی کرتے رہو - میں ابھی مہاراج کو انگوٹھی ملنے کی تفصیل سُنا کر اور ان کا فرمان سنے کر آتا ہوں -

(کوتوال جاتا ہے)

پیادے - جاؤ جاؤ - بہنوئی کی چاپلوسی کرو -

پہلا - (کچھ دیر بعد) یار، سالے نے تو دیر لگا دی -

دوسرا - راجاؤں سے وقت پر ہی ملاقات ہوتی ہے -

پہلا۔ رہ رہ کر جی چاہتا ہو کہ اسے الوداعی پھول مالا پہنا دوں[1]
قیدی۔ واہ جی واہ! خواہم خواہ کسی کی جان لوگے۔
پیادہ۔ (جھانک کر) لو، کوتوال صاحب ہاتھ میں راجا کا فرمان لیے
اِدھر ہی آرہے ہیں۔
لے بے چور، دیکھنا ہو کہ تو کتوں کا ناشتہ بنتا ہو، یا چیل کوّوں
کا کھاجا۔
کوتوال۔ (داخل ہوکر) اس دھینور کو فوراً رہا کرو، اس کا بیان صحیح نکلا۔
پیادے۔ جو حکم سرکار۔
بچّو، موت کے منہ سے نکل آئے (بندھن کھول دیتے ہیں)
دھینور۔ (کوتوال کے پیروں پر گر کر) پربھوجی، آج کی روزی
ماری گئی۔
کوتوال۔ یہ لے۔ سرکار نے اس انگوٹھی کا مول تجھے انعام میں
دیا ہو۔
قیدی۔ (دام لے کر، پیر چھوتے ہوے) اجی میں تو نہال ہو گیا۔
پیادہ۔ اس بیش بہا انعام سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ انگوٹھی بڑی
انمول ہوگی۔
کوتوال۔ میرا خیال ہو کہ انگوٹھی اپنے جواہرات کے سبب سے مہاراج کو
عزیز نہ تھی بلکہ اسے دیکھ کر انھیں کسی پیارے کا دھیان آیا۔
حالاں کہ ان کی طبیعت میں بلا کی سنجیدگی ہو مگر اسے دیکھ کر تھوڑی دیر

---

[1] زمانۂ قدیم میں یہ رسم تھی کہ پھانسی سے پہلے مجرم کو پھولوں کے ہار پہنا کر رخصت کیا جاتا تھا۔ مترجم۔

کے بیے وہ کھو سے گئے۔

پیادہ۔ یہ کیوں نہ کہیں کہ کوتوال صاحب نے آج اُن کا بہت بڑا کام کیا۔
دوسرا۔ میاں، جو کہو، کام تو اس دھینور کا بنا۔

(اسے حسد سے دیکھتا ہی)

دھینور۔ بھائی صاحب، کُڑھتے کیوں ہو۔ ان رُپیوں میں سے آدھے لے کر وہ پھول مالا خرید لاؤ۔

دونوں پیادے۔ واہ واہ! ہو لے کوئی ایسا دل دار!

کوتوال۔ بھئی دھینور، آج سے تو ہمارا یار ہی۔ آؤ اس نئی دوستی پر داروُ کی مہر لگائیں۔ چلو آؤ، کلال کی دوکان کو!

تمہید ختم

[آسمان پر سانومتی نامی پری اُڑن کھٹولے میں بیٹھی ہوئی نظر آتی ہی]۔

سانومتی۔ اپسرا تیرتھ[51] میں جب تک بھلے مانسوں کے اشنان کی ساعت ہوتی ہی، ہم سب کو باری باری سے حاضری دینی ہوتی ہی۔ اب میں نچنت ہوگئی۔ چل کر ذرا اس راجا کا حال بھی دیکھوں۔ مینکا کے بہناپے کے ناتے شکنتلا کو میرے کلیجے کا ٹکڑا ہی سمجھو۔ اور مینکا ہی نے بیٹی کے کام کے لیے مجھے بھیجا ہی۔

(چاروں طرف دیکھ کر) ایں، جشنِ بہار کے زمانے میں راج محل میں یہ اُداسی کیسی؟ ٹھیرو، اگرچہ مجھے اس کی قدرت بھی ہی کہ گھر بیٹھے سارا بھید جان لوں، مگر سکھی کی منّت کا پاس ہی، اس لیے جادو کی چدریا اوڑھ کر ان مالنوں میں جا بیٹھوں۔ یہ مجھے نہ دیکھ سکیں گی مگر میں ان کے ساتھ رہوں گی۔

(نیچے اُتر آتی ہی)

(ایک مالن آموں کی مَوَر کو تکتی ہوئی آتی ہی۔ دوسری اس کے پیچھے ہی)

پہلی۔ اری آم کی مَوَر[52]! تیرا رنگ کچھ ہرا، کچھ پیلا اور کچھ لال ہی۔ تو ہی جانِ بہار ہی، تو ہی حُسنِ بہار ہی۔ آج تیرا اوّل دیدار ہی۔ پیاری، تو ہمیں نظرِ بد سے بچانا اور اس رُت کو برکت دینا۔

دوسری۔ اری کویل! تو من ہی من میں کیا گنگنا رہی ہی؟

پہلی۔ اری مدھ مکھی! آم کی کلی کو دیکھ کر کویل سدھ بدھ بھول جاتی ہی۔

---

[51] یہ جگہ ہستنا پور کے قریب تھی۔

[52] ہندی میں 'مَوَر' مونث ہی اور معنی کے اعتبار سے میں نے اس لفظ کو یوں ہی استعمال کیا ہی۔

دوسری - (خوشی کے مارے لپک کر) کیا بسنت رُت واقعی آگئی۔
پہلی - ہاں ری - اب تیرے لیے مدبھرے گیت گانے کے دن آگئے۔
دوسری - سکھی! کام دیو کی پوجا کے لیے میں اس پیڑ سے مَوَر کا گچھا توڑوں گی۔ تنک مجھے سہارا دے کر اوپر اُچکا دے۔
پہلی - میں سہارا دوں گی تو پوجا کا آدھا پھل بھی لوں گی۔
دوسری - جو تو نہ بھی کہتی تو کیا میں آدھا پھل نہ دیتی؟ ہم دونوں تو دو تن ایک من ہیں۔

(سکھی کا سہارا لے کر مَوَر توڑتی ہے)

آہا! آم کی کلیاں[۱] ابھی ہیں تو ادھ کھلی، مگر جس جگہ سے ٹوٹی ہیں، وہاں کیسی سہانی مہک دے رہی ہیں۔

(اوک بنا کر مَوَر چڑھاتی ہے)

آم کلی، میں تجھے کام دیو پر چڑھاتی ہوں، جس نے ابھی کمان اٹھائی ہے۔ تو اُس کے پانچ بانوں میں سب سے پینا بان بن کر پردیسیوں کی برہ و گنوں کے دل میں رہا کیجو۔

(اتنے میں حاجب غصے سے بڑبڑاتا ہوا آتا ہے)

حاجب - اری چھوکریو، سرکار نے حکم دیا تھا کہ اس سال بہار کا جشن نہیں منایا جائے گا۔ پھر تم نے آم کی کلیاں کیوں توڑیں؟
مالنیں - (ڈر کر) - اس بار ہمیں معاف کر دیجیے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ سرکار نے ایسا حکم دیا ہے۔
حاجب - اوہو، تمھیں دونے نہیں سُنا۔ ورنہ چمن کے پیڑ پنچھیوں تک کے

---

[۱] سنسکرت میں "امر کالکا" یعنی "آم کی کلی" تھا۔ میں نے اُسے یوں ہی رہنے دیا ہے۔ مترجم

کان ہو گئے ۔ اسی لیے تو آم کی کلیاں اِتنے دِنوں سے کھلی ہوئی ہیں مگر ان میں پراگ آنے کا نام نہیں لیتا۔ اسی طرح کرے کا پیڑ کلیا کر رہ گیا۔ پھولتا نہیں۔ سردی کا موسم بیت گیا مگر کویل کے گلے سے کوک نہیں نکلتی۔ مجھے تو اس کا بھی کھٹکا ہے کہ کام دیو نے اپنا نیم کش تیر دوبارہ ترکش میں نہ ڈال لیا ہو۔

سانومتی۔ (خود) اس میں شک نہیں کہ اس راجا رِشی کو بڑی قدرت حاصل ہے۔

ایک مالن۔ بڑے میاں، کوتوال صاحب نے ابھی اس دن حضور کی خدمت میں ہمیں باریاب کیا۔ یہاں اس پھلواری کی رکھوالی ہمارے سپُرد کی گئی۔ اجنبی ہونے کی وجہ سے یہ فرمان ہمارے کانوں تک نہیں پُہنچا۔

حاجب۔ اچھا، آیندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

مالنیں۔ حضرت، اگر ہم جیسوں کو سُنانے میں کوئی ہرج نہ ہو تو للّٰہ بتایئے کہ بسنت کا جشن کیوں روک دیا گیا؟

سانومتی۔ (خود) انسانوں کو تو جلسہ جلوس کی بڑی چاٹ ہوتی ہے۔ کوئی ایسی ہی بات ہوئی ہوگی جو منع کر دیا۔

حاجب۔ (خود) جب دُنیا جہان کو معلوم ہو چکا تو کہنے میں کیا مضائقہ۔ (بآواز) شکنتلا کے تجے جانے کا قصّہ تم نے نہیں سُنا؟

مالنیں۔ کوتوال کی زبانی انگوٹھی ملنے تک کا حال سُنا ہے۔

حاجب۔ تو کہنے کو باقی ہی کیا رہ گیا۔ سُنو، اپنی انگوٹھی دیکھتے ہی مہاراج کو ہوش آیا کہ شکنتلا سے

کبھی چھپ کر بیاہ کیا تھا اور بے سُدھی میں اُسے تج دیا۔ اسی گھڑی سے وہ پچھتاوے میں پڑے ہیں۔ اب یہ حال ہے کہ کسی سے ہنسنا بولنا نہیں بھاتا۔ نہ پہلے کی طرح وزیروں کی بھیڑ رہتی ہے۔ راتیں بنا پلک جھپکائے سیج کی پٹیوں پر کروٹیں بدلتے بیتتی ہیں۔ رانیوں کا دل رکھنے کے لیے کبھی کچھ کہتے ہیں تو غلطی سے ہر بار شکنتلا کا نام منہ سے نکلتا ہے اور شرما کر چپ ہو جاتے ہیں۔

سانومتی۔ (خود) یہ سُن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

حاجب۔ اسی ماتم کا سبب ہے کہ بسنت کا جشن روک دیا گیا۔

مالنیں۔ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔

(پسِ پردہ) حضور، ادھر تشریف لائیں۔

حاجب۔ (کان لگا کر) مہاراج اِدھر ہی آرہے ہیں، جاؤ اپنا کام کرو۔

مالنیں۔ جی اچھا۔ (دونوں جاتی ہیں)

(راجا ماتمی لباس میں آتا ہے۔ مادھو، اور عرض بیگن ساتھ ہیں)

حاجب۔ (راجا کو دیکھ کر۔ خود) سچ ہے۔ اچھی صورت والے ہر دھج میں آنکھوں کو بھاتے ہیں۔ ماتمی لباس میں بھی ہمارے مہاراج کی آن بان نرالی ہے۔

سب گہنے اُتار پھینکے ہیں، زیب و زینت کا کوئی سامان باقی نہیں، اکیلا ایک کنگن بائیں ہاتھ میں رہ گیا ہے، گرم سانسوں سے ہونٹوں کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے، سوچ میں نیند نہیں آتی، جاگتے ساری رات کٹتی ہے، اسی لیے آنکھوں میں لالی چھائی ہوئی ہے۔ مگر تجلّی کا یہ عالم ہے کہ یہ کانٹا سا بدن کبھی نور کے سانچے میں ڈھلا

ہُوا معلوم ہوتا ہو۔ جیسے سان پہ چڑھا ہُوا ہیرا ہو۔
سانومتی۔ (راجا کو دیکھ کر۔ خود) اِس توہین کے باوجود اگر شکنتلا اس
کے فراق میں گھلی جا رہی ہو تو عجب نہیں۔
راجا۔ (سوچ بچار میں مگن، ٹہلتے ہوئے) جب جانِ جاں نے دلِ
بدبخت کو جگانے کے لاکھ جتن کیے تو وہ سوتا رہا۔ اب وہ پشیمانی
کا غم جھیلنے کو جاگا ہو۔
سانومتی۔ (خود) اُس دکھیا کے بڑے بھاگ ہیں۔
مادھو۔ (خود) ان حضرت پر شکنتلا کا بخار پھر چڑھ آیا۔ ان کے علاج کی
کیا تدبیر کی جائے۔
حاجب۔ (پاس آکر)۔ مہاراج کی جے ہو۔
میں پھلواری کو بھلی بھانت دیکھ آیا۔ جس نشاط گاہ میں جی
چاہے چل کر آرام فرمائیں۔
راجا۔ (عرض بیگن سے) جاکر دیوان جی سے کہو کہ دیر تک جاگنے کے
کارن مجھ میں آج دربار کرنے کی سکت نہیں ہو۔ پرجا کا جو کچھ کام
کاج ہو تو ہمیں لکھ بھیجیں۔
عرض بیگن۔ بہت خوب (باہر جاتی ہو)
راجا۔ واتاین، تم بھی اپنے کام پہ جاؤ۔
حاجب۔ جو حکم سرکار (چلا جاتا ہو)۔
مادھو۔ چلیے، یہاں بھی جھاڑو پھر گئی۔
اب پھلواری کے اس کنج میں کچھ دیر جی بہلائیے۔ دیکھیے بہار
نے اس کی رونق میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

راجا۔ مادھو! کہتے ہیں کہ مصیبت کو آنے کے لیے کوئی بہانہ چاہیے۔
شکنتلا کو تجنے کی یاد کا گھاؤ ابھی ہرا تھا کہ کام دیو اپنی کمان پر
آم کلی کا بان چڑھائے نمک پاشی کے لیے آ پہنچا۔
مادھو۔ ابھی ٹھیرو۔ سُسرے کام دیو کے تیروں کی خبر اس ڈنڈے
سے لیتا ہوں۔
(ڈنڈے سے آم کی موڑ گرانے کی کوشش کرتا ہی)
راجا۔ (مسکرا کر) رہنے بھی دو، برہمنوں کا بل دیکھ لیا! یہ کہو کہ ایسی
بیلیں کدھر ہیں جنھیں دیکھ کر پیاری کا دھیان آتا ہی، وہیں چل کر
آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں۔
مادھو۔ مگر آپ نے اس لونڈی چترکا کو یہ حکم دے رکھا ہی کہ ہم
دن بھر مادھوی کنج میں رہیں گے۔ ہم نے شکنتلا کی جو تصویر
بنائی ہو اُسے وہیں پہنچا جانا۔
راجا۔ دل کا خفقان بہلانے کو ایک یہی رہ گیا۔ چلو اسی طرف۔
مادھو۔ یوں آئیے۔ (دونوں چلتے ہیں اور سانومتی پیچھے پیچھے
آتی ہی)
مادھو۔ جہاں بلّور کی چوکی بچھی ہوئی ہی۔ وہیں مادھوی کنج ہی۔ یہ کنج
آپ کی نذر کے لیے اپنی ساری خوشنمائی نچھاور کر رہا ہی۔
آئیے، یہیں بیٹھیں۔
(کنج میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں)
سانومتی (خود) اس بیل کی اوٹ سے میں شکنتلا کی تصویر دیکھ لوں، پھر
چل کر اسے سناؤں کہ پیا اُس پر کتنا ریجھا ہوا ہی۔

(ایک بیل کی اوٹ میں بیٹھ جاتی ہی)

راجا۔ بھائی، اب جاکر مجھے شکنتلا کا سارا قصّہ یاد آیا۔ لیکن میں نے تمھیں بھی تو سب سُنایا تھا۔ حالاں کہ تم اُس وقت موجود نہ تھے جب میں نے سرِعام اس کی توہین کی تھی، مگر اب تک تم نے بھُول کر بھی اُس کا ذکر مجھ سے نہیں کیا۔ کیا میری طرح تم بھی یک سر اُسے بھُول گئے تھے؟

مادھو۔ یہ بات نہیں۔ سب کچھ سُنانے کے بعد چلتے چلتے آپ نے ٹیپ کا ایک بند بھی تو جڑ دیا تھا کہ یہ سب مذاق ہی، اسے حقیقت نہ سمجھ بیٹھنا۔ مجھ بدّھو نے آپ کی اس بات پر اعتبار کر لیا۔ ہونہار کب مٹتا ہی۔

سانومتی۔ (خود) ٹھیک کہا۔

راجا۔ (مایوسی سے)۔ بھائی، مجھے اس کرب سے نجات دِلا۔

مادھو۔ آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہی (مصیبت میں کوئی یوں بھی صبر کا دامن چھوڑتا ہی۔ آندھی میں بھی پہاڑ اٹل اور اچل رہتے ہیں۔)

راجا (لیکن کیا کروں۔ جب میں نے اُسے دھتکار دیا تو اس کی حالت ایسی زار تھی کہ یاد کر کے کلیجے میں ہوک سی اُٹھتی ہی۔

جب میں نے کہ دیا کہ تجھے نہیں پہچانتا تو وہ اپنے سنگیوں کے پیچھے بھاگی۔ مگر ان میں سے ایک چیلے نے، جسے وہ اپنا بڑا مانتی تھی، گھڑک کر کہا کہ تجھے یہیں رہنا ہوگا۔ اس وقت اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھ پہ جو نظر ڈالی تھی، وہی نظر اب مجھ بے درد

کو بس میں بجھے ہوے بان کی طرح جلائے ڈالتی ہو۔

سانومتی (خود) اپنی غرض بھی کتنی پیاری ہوتی ہو! اس کے دُکھ کو دیکھ دیکھ کر میرا دل کِھلا جارہا ہو۔

مادھو۔ میری سمجھ میں یہی آتا ہو کہ اُسے کوئی دیوتا اُٹھالے گیا۔

راجا۔ ایسی ستی کو چھونے کی مجال کس کو ہوسکتی تھی؟ میں نے سُنا ہو کہ اُس کی ماں مینکا نامی پری ہو۔ ہو نہ ہو اسی کی سہیلیاں اُٹھا کر لے گئیں۔

سانومتی۔ (خود) حیرت اس وقت ہوتی ہو جب کسی کا ہوش جاتا ہو۔ ہوش آنے پر کیا حیرت؟

مادھو۔ اگر ایسی بات ہو تو اُس کے ملنے میں دیر نہیں۔

راجا۔ یہ کیسے جانا۔

مادھو۔ ظاہر ہو کہ ماں باپ اپنی بیٹی کو اُس کے دولھا سے زیادہ دنوں الگ نہیں دیکھ سکتے۔

راجا۔ ہائے، شکنتلا کے ساتھ میرا ملاپ کوئی سپنا تھا؟ وہ سراب صحرا یا مایا کا کھیل تھا؟ یہ نہیں، تو کیا میرے پُن کا پھل تھا، جو دم بھر کے لیے جھلک دکھا کر اوجھل ہوگیا؟ جو بھی ہو وہ سُکھ پھر نہ لوٹے گا۔ میری تمنّا ایسی اگم میں جا پڑی جس کا کوئی اور چھور نہیں ہو۔

مادھو۔ یہ نہ کہیے۔ یہ انگوٹھی ہی اس بات کا ثبوت ہو کہ کھوئی ہوئی چیز مل بھی جایا کرتی ہو۔ بھگوان کی لیلا کو کوئی کیا سمجھے۔ مُدّت کے بچھڑے ہوے یک بیک مل جایا کرتے ہیں۔

راجا۔ (انگوٹھی کو دیکھ کر) ہائے، یہ انگوٹھی بھی کتنی بد نصیب ہے۔ یہ اس مقام سے جا گری ہے جہاں دوبارہ پہنچنا اس کے لیے ناممکن ہے۔ اری مُندری! تیرے انجام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تو بھی میری طرح بھاگ کی کھوٹی ہے، کیونکہ ان حنائی انگلیوں تک ایک بار پہنچ کر تو پھر نیچے گر پڑی۔

سانومتی۔ (خود) اس انگوٹھی کے نصیب تبھی پھوٹتے جب وہ کسی اور کی انگلی میں ہوتی۔

مادھو۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ انگوٹھی شکنتلا تک کس طریقے سے پہنچی۔

سانومتی۔ (خود) میں خود بھی یہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

راجا۔ جب میں تپ بن سے راجدھانی کو لوٹنے لگا تو میرے محبوب نے آنکھوں میں آنسو لاکر پوچھا کہ ساجن، پھر کب سُدھ لوگے؟

مادھو۔ ہاں، تب؟

راجا۔ اس کے جواب میں یہ انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا کر میں نے کہا کہ اس میں جتنے اچھر ہیں انھیں تم ہر روز ایک ایک کرکے گنا کرنا۔ جس دن وہ ختم ہو جائیں تو سمجھ لینا کہ آج پیہر سے کوئی لینے آئے گا۔

لیکن، ہائے مجھ بزدل کو اس کی سدھ ہی نہ رہی۔

سانومتی۔ (خود) سنجوگ کا کیسا پیارا ڈھنگ نکالا تھا۔ مگر قسمت نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔

مادھو۔ خبر نہیں، یہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں کیسے پہنچ گئی۔

راجا۔جب شکنتلا نے شچی تیرتھ میں پوجا کے لیے ہاتھ میں پانی لیا تو یہ
گنگا جی میں گر پڑی ہوگی۔

سانومتی۔(خود) اخاہ، تبھی تو پاپ کے ڈر سے یہ بیچارہ بیاہ کے
بارے میں دبدھا میں پڑگیا۔
مگر ایسا تھا تو انگوٹھی دیکھتے ہی وہ اس کے پریم میں باؤلا
کیوں ہوگیا۔

راجا۔اسی لیے میں اس انگوٹھی کو خوب ملامت کروں گا۔

مادھو۔(خود) لو، یہ تو مجنونوں کی سی باتیں کرنے لگا۔

راجا۔اری مندری! ان نازک انگلیوں سے جدا ہوکر پانی میں
گرنے کی ہمت تجھے کیسے ہوئی؟ لیکن یہ تو ایک بے جان شے ہے۔ مجھے
دیکھو کہ ہوش وحواس رکھتے ہوئے اُسے تج دیا۔

مادھو۔(خود) یہ حضرت اپنے دھیان میں مگن ہیں۔ یہاں بھوک مجھے
کھائے جا رہی ہے۔

راجا۔پران پیاری میں نے بلا وجہ تجھے تج دیا۔ مگر اب میرا دل پچھتاوے
کے مارے ٹوک ٹوک ہوا جارہا ہے۔ مجھ پہ رحم کھا اور ایک بار
پھر اپنی چھب دکھا۔

(چترکا نامی باندی تصویر لیے آتی ہے)

باندی۔ مہارانی کی تصویر حاضر ہے۔(تصویر دکھاتی ہے)

مادھو۔(غور سے دیکھ کر) اس تصویر کے کیا کہنے ہیں! ایسا بانکا قلم
پھیرا ہے کہ مورت آنکھوں کے آگے آجاتی ہے۔ میری نگاہ تو بہن کے
کندن سے گات میں کھوئی سی جاتی ہے۔ زیادہ کیا کہوں۔ بس یہ

لگتا ہے کہ وہ جیتی جاگتی سامنے کھڑی ہیں اور بات کرنے کو جی چاہتا ہے۔

سانومتی۔ (خود) آفریں ہو راجا کے کمال پر! مجھے خود گمان ہو چلا تھا کہ سکھی شکنتلا سامنے کھڑی ہوئی ہے۔

راجا۔ چتیروں کی ریت ہے کہ جو چیز تصویر میں بیان نہ ہو سکے اس کا اظہار دوسرے طریقے سے کر دیتے ہیں۔ میں نے بھی اس میں یہی کیا ہے۔ تاہم اس کے روپ کی چھب شاید کچھ کچھ ان لکیروں میں جھلک آئی ہو۔

سانومتی۔ (خود) یہ انکسار اس کی سچی محبت پر دلالت کرتا ہے۔

مادھو۔ اماں، اس میں تو تین تین حسینوں کا جھگڑا ہے۔ ان میں بہن شکنتلا کون سی ہے!

سانومتی۔ (خود) جب اس نے اس پیکرِ حسن کو نہیں دیکھا تو اسے آنکھ کا اندھا ہی سمجھنا چاہیے۔

راجا۔ مادھو، یہ تو تمھیں ہی بوجھنا ہوگا۔

مادھو۔ (غور سے دیکھ کر) میری دانست میں شکنتلا تو وہی ہوگی جو اس آم کے پیڑ کا سہارا لیے کھڑی ہے جس کی نئی کونپلیں سینچائی کے کارن جگمگ جگمگ کر رہی ہیں۔ اس کا جوڑا ڈھیلا ہو گیا ہے تو بالوں میں گھنسے ہوئے پھول نیچے ڈھلک رہے ہیں اور وہ تھکن کے مارے کچھ نڈھال بھی ہو گئی ہے۔ کیونکہ مکھڑے پہ پسینے کی بوندیں ٹپک رہی ہیں اور باہنیں بالکل ڈھل گئی ہیں۔ اس کے آزو بازو دونوں سکھیاں ہیں۔

راجا۔ میں تمھاری چترائی کا قائل ہوگیا۔ لیکن اس میں تم نے میرے جذبات
کا اثر نہیں دیکھا۔ دیکھو تصویر کے کنارے پسیجی ہوئی اُنگلیوں سے
میلے ہوگئے ہیں، اور گال پر جہاں میرے آنسو کی ایک بوند ٹپک
پڑی تھی وہاں کا رنگ اُڑ گیا ہے۔
(باندی سے) اری چترکا! اس میں کُنج کا خاکہ تو ادھورا ہی رہ گیا۔
جانا، کوچی تو اُٹھا لانا۔
باندی۔ بہت خوب؛ مادھوجی، جب تک میں آؤں اس چوکھٹے کو تھامے
رہنا۔
راجا۔ نہیں، لاؤ مجھے دو۔
(تصویر اپنے ہاتھ میں لیتا ہے، باندی جاتی ہے۔)
راجا۔ جب وہ خود سے میرے پاس آئی تو میں نے بے دردی سے
ٹھکرا دیا اور اب اس کی تصویر پر بل بل جا رہا ہوں۔
بھائی، میری گت وہی ہے کہ کوئی بہتی ہوئی ندی سے اُتر کر
سراب کے پیچھے بھاگنے لگے۔
مادھو۔ (خود) میری رائے بھی یہی ہے۔
(آواز) کیوں صاحب، اس میں اب کیا بنانا رہ گیا؟
سانومتی۔ (خود) میں سمجھتی ہوں کہ اب وہ جگہیں بنائی جائیں گی جو میری
سکھی کو پیاری تھیں۔
راجا۔ سُنو، مالنی ندی کا ایک منظر بنانا ہے جس کی ریتی پر ہنس کے جوڑے
کلیلیں کر رہے ہوں، دونوں طرف ہمالیہ کی پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہوں
اور ان پر ہرنوں کے جھنڈ جگالی کر رہے ہوں میں یہ بھی چاہتا ہوں

کہ ایک ایسا پیڑ دکھایا جائے جس کی ڈالیوں پر چھال کے کپڑے سوکھ رہے ہوں اور نیچے ایک ہرنی اپنی بائیں آنکھ کسی کالے ہرن کے سینگ سے کھجا رہی ہو۔

مادھو (خود) میری مانیے تو اس تصویر کو ڈھیل جوگیوں سے بھر دیجیے۔

راجا۔ اماں، یہاں شکنتلا کا دہ من بھاتا گہنا دکھانا تھا، یہ یاد ہی نہ رہا۔

مادھو۔ کون سا گہنا؟

راجا۔ جیسا بن کی ناریوں کا ہوتا ہو۔

بھئی، کانوں میں سرس کے پھولوں کا جھومر ہونا چاہیے جس کے زرتار گالوں کو چوم رہے ہوں اور چھاتی پر کنول نال کی مالا جو چاند کی کرن کی طرح نازک ہو۔

مادھو۔ ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔ اپنے مکھڑے کو لال کمل کے ڈنٹھل جیسے ہاتھوں سے چھپائے، یوں حیران پریشان کیوں کھڑی ہیں! (غور سے دیکھ کر) ادھو، یہ حرام زادہ بھونرا — پھولوں کے رس کا چور — ان کے گل رخ پر جھپٹ رہا ہو۔

راجا۔ اس ڈھیٹ بھونرے کو نکالو۔

مادھو۔ بابا، سرکشوں کی مرمت آپ سے بہتر کون کر سکتا ہو؟

راجا۔ اس سے کہو کہ تو، تو پھول بیلوں کا مہمان ہے۔ وہاں جا، یہاں ناحق کیوں منڈلا رہا ہو۔

ارے دیوانے! تیری بھونری اس پھول پر بیٹھی تیرا انتظار کر رہی ہو۔ تیرے بنا اس سے رس نہیں پیا جاتا۔

سانومتی۔ (خود) کس خوب صورتی سے بھونرے کو تنبیہہ کی ہے۔

مادھو۔ اجی، بھونڑوں کی ذات کہیں ہٹائے ہٹتی ہے۔

راجا۔ ارے بھونڑے، اگر تو سیدھے سے میرا کہا نہ مانے گا تو پھر سمجھ لے۔
میری جانی کے ہونٹ ایسے نرم ہیں جیسے نئی کونپل۔ اسی لیے
ملاپ کی گھڑی میں نے بہت دھیرے دھیرے ان کا رس پیا
تھا۔ اگر تو، ان ہونٹوں کو چھونے کا جتن کرے گا تو تجھے میں کنول
کے دل کے اندر بند کر دوں گا۔[۵]

مادھو۔ غضب ہے اگر یہ اتنی سخت سزا سے نہ ڈرے۔
(ہنس کر۔ خود) یہ تو سڑی ہو ہی گیا اور میں بھی اس کی سنگت
میں واہی تباہی بکنے لگا۔
(بآواز) بھائی صاحب، یہ تصویر ہے، بے جان تصویر!

راجا۔ ایں کیا کہا؟

سانومتی۔ (خود)۔ واقعی، اس وقت تو میں بھی بھول گئی تھی کہ یہ فقط
تصویر ہے۔ پھر جس نے اسے بنایا اسے کیسے سُدھ رہ سکتی تھی؟

راجا۔ ارے نادان، میں تو اپنی جانِ جاں کے درشن کا سُکھ اُٹھا رہا تھا
اور میرا من مندر اُس کے اُجالے سے مُنور ہو گیا تھا۔ تو نے کیوں یاد
دلا دی کہ یہ تصویر ہے۔ اب تک وہ میرے آگے چل پھر رہی تھی
لیکن اب پھر تصویر کے سوا کچھ نہ رہا (رونے لگتا ہے)

سانومتی (خود)۔ برہ کی کیفیت بھی نرالی ہے کہ ایک آن میں ایک رنگ
آتا ہے تو ایک رنگ جاتا ہے۔

---

[۵] کہتے ہیں کہ شام کو جب کنول کا منہ بند ہو جاتا ہے، تو کبھی کبھی اُس پر بیٹھا ہوا بھونرا اندر
ہی رہ جاتا ہے اور صبح تک وہیں گرفتار رہتا ہے۔ یہ ہندو شاعری کا ایک مقبول موضوع ہے۔

راجا۔ میت، میں گھڑی گھڑی کا یہ دُکھ کہاں تک سہوں۔ رات جاگتے بیت
جاتی ہے، اس لیے سپنے میں اُسے دیکھنے کی آس بھی جاتی رہی۔ اور
جب تصویر دیکھتا ہوں تو آنکھوں میں خود بخود آنسو بھر آتے ہیں
اور اُن کی دُھندلاہٹ میں کچھ نظر نہیں آتا۔
سانومتی (خود) یہ آنسو شکنتلا کے دل سے توہین کے داغ دھو دیں گے۔
(باندی لوٹ کر آتی ہے)
باندی۔ سرکار، میں رنگوں کا ڈبّا لیے اِدھر آ رہی تھی۔
راجا۔ تو کیا ہوا؟
باندی۔ رانی بسومتی نے اپنی مغلانی کے ساتھ راہ روک کر میرے ہاتھ
سے ڈبا چھین لیا اور کہا کہ میں خود چل کر مہاراج کو دوں گی۔
مادھو۔ لڑکی، جان بچ گئی، اسی کی خیر منا۔
باندی۔ رانی کا پلّو ایک جھاڑی میں اُلجھ گیا اور مغلانی اسے چھڑانے
میں لگ گئی، اتنے میں میں چپکے سے نکل بھاگی۔
راجا۔ بھائی، رانی بسومتی سوتاپے کی ڈاہ میں جلی بھنی آ رہی ہے۔ خدا را
اس تصویر کو بچاے۔
مادھو۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اپنی جان بچاے۔
(تصویر اُٹھا کر) جب رنواس کی بدلی برس کر کھُل جاۓ تو مجھے
میگھ بھون، سے بلا لینا۔ (بھاگتا ہے)
سانومتی (خود) کسی اور پر جان دینے کے باوجود یہ اپنی پہلی پیت نباہتا
ہے۔ مگر اس رانی سے اُسے اب زیادہ لگاؤ نہیں رہا۔
(عرض بیگن ہاتھ میں ایک پرچہ لیے آتی ہے)

عرض بیگن۔ مہاراج کی جے ہو۔
راجا۔ تونے رانی بسوہتی کو ادھر آتے تو نہیں دیکھا؟
عرض بیگن۔ سرکار، ملی تو تھیں، لیکن میرے ہاتھ میں ایک عرضی دیکھ کر
الٹے پاؤں پھر گئیں۔
راجا۔ وہ موقع محل پہچانتی ہیں۔ راج کاج میں خلل ڈالنا نہیں چاہتیں۔
عرض بیگن۔ مہاراج! دیوان جی نے بنتی کی ہو کہ خزانے میں اتنا روپیہ
آیا کہ اُس کے حساب سے فرصت نہ ملی۔ صرف ایک معاملے کی
جانچ ہوسکی جسے تحریر بند کرکے حضور میں گزار رہا ہوں۔
راجا۔ کیا ہو، دیکھوں تو سہی۔
(عرض بیگن پرچہ دیتی ہو)
راجا۔ (پڑھتے ہوے)۔ دھن میت نامی سمندر کا بیوپاری ڈوب کر مر گیا۔
وہ لاولد ہو، اس لیے اس کا دھن مال بحقِ حکومت ضبط ہونا
چاہیے۔
(رنجیدہ ہوکر) لاولدیت بھی کتنا اندوہ ناک امر ہو! لیکن اس
جگت سیٹھ کی تو کئی بیویاں ہوں گی۔ فیصلے سے پہلے یہ معلوم کرنا
چاہیے کہ اُن میں سے کوئی حمل سے تو نہیں ہی۔
عرض بیگن۔ مہاراج! سُنا ہو کہ اس کی ایک بیوی اجودھیا کے کسی سیٹھ
کی بیٹی ہو۔ ابھی اس کے گھر چھٹی منائی جا رہی تھی۔
راجا۔ اس صورت میں دیوان کو جتا دینا چاہیے کہ یہی بچّہ اپنے باپ کا
وارث ہوگا۔
عرض بیگن۔ بہت خوب۔ (جانے لگتی ہی)

راجا۔ اور سُنو۔
عرض بیگن۔ ارشاد؟
راجا۔ اولاد نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ نگر میں ڈھنڈورا پیٹ دو کہ پرجا میں پاپیوں کے سوا جس کسی کو بھائی بند کا بجوگ ہو وہ دُشنیت کو اس کی جگہ سمجھے۔
عرض بیگن۔ حکم کی تعمیل ہوگی۔ اُسے سُن کر سب کو ایسی خوشی ہوگی جیسے سوکھے میں برکھا ہونے لگے۔
راجا۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) جس گھر میں کوئی دیا جلانے والا نہ ہو اس کی دولت اسی طرح غیروں کے ہاتھ لگتی ہے۔ جب میں نہ ہوں گا تو پُرو گھرانے کی لچھمی کا وہی حال ہوگا جو بنجر کی کھیتی کا ہوتا ہے۔ (رہیں لا
عرض بیگن۔ بھگوان ہمیں اس دن سے بچائیں:
راجا۔ پھٹکار ہے مجھ پر کہ میں نے گھر آئے ہوئے سکھ کو تج دیا۔
سانومتی۔ (خود) میری سکھی کی یاد کرکے یہ اپنے پر لعنت ملامت کر رہا ہے۔
راجا۔ بیوی ہی گھرانے کی لاج ہوتی ہے، اور پھر وہ تو میری اولاد کو جنم دینے والی تھی۔ میں نے اُسے اسی طرح نکال دیا جیسے فصل آنے کے موسم میں کسان اپنی بوئی ہوئی کھیتی کو چھوڑ دے۔
سانومتی۔ (خود)۔ ارے نادان! تیرا بنس تو رہتی دنیا تک رہے گا۔
باندی۔ (عرض بیگن سے) نوج! اس مُردار سیٹھ کا قصہ سُن کر سرکار کیسے ہراساں ہو گئے۔ جاؤ میگھ بھون سے مادھو کو بلا لاؤ۔ وہی انھیں سنبھال سکتا ہے۔

عرض بیگن۔ ٹھیک کہتی ہو۔ (جاتی ہی)
راجا۔ لعنت ہی مجھ پر! میرے پرُکھوں کی آتما پر کیا بیت رہی ہوگی۔
وہ سوچتے ہوں گے کہ دُشینت کے بعد ہم پر کون فاتحہ پڑھے گا۔
اور اب بھی میرے دیے ہوئے پانی کو رو رو کر پیتے ہوں گے۔
(شدّتِ غم سے بے ہوش ہو جاتا ہی)
باندی۔ (گرتے ہوئے کو تھام کر) حضور، یہ کیا! ہوش میں آئیے۔
سانومتی۔ (خود) ہائے۔ اس گھڑی اس کی وہی حالت ہی جیسے سامنے
رکھے ہوئے ڈیوٹ پر پردہ پڑنے سے کسی کو اندھیرا ہی اندھیرا
دکھائی دیتا ہی۔ میں تو ابھی اس کا دُکھ دُور کر دیتی، مگر کیا کروں۔
اندر بھگوان کی ماتا کو شکنتلا کو یہ سمجھاتے سُن چکی ہوں کہ دیوتا ایسا
جتن کر رہے ہیں کہ جس سے تیرا دولھا تھوڑے دنوں میں خود ہی
تیری زندگی اُجالنے آئے گا۔ اِس لیے جب تک وہ نیک ساعت
نہ آئے مجھے کچھ نہ کرنا چاہیے۔ ہاں اتنا تو کروں گی کہ اپنی پیاری
سکھی کو یہ ساری داستان سُناؤں تاکہ اُسے کچھ دھیرج بندھے۔
(ناچتی ہوئی چلی جاتی ہی)

(پسِ پردہ)۔ خون! خون! دوڑو، بچاؤ!
راجا۔ (ہوش میں آکر) ایں! یہ تو مادھو کی سی چیخ ہی! ارے کوئی ہی؟
(عرض بیگن گھبرائی ہوئی آتی ہی)
عرض بیگن۔ حضور، اپنے دوست کو مصیبت سے بچائیے۔
راجا۔ کیوں، کیا کوئی اُسے ستا رہا ہی؟
عرض بیگن۔ مہاراج! جانے وہ موا بھوت ہی یا پریت ہی کہ کسی کو نظر

نہیں آتا - اس نے مادھو کو مشکیں کس کر میگھ بھون کی منڈیر پر ڈال
دیا ہو -
راجا - (اُٹھ کر) کیا کہا؟ میرے محلوں میں بھوت پریت بھی آنے لگے!
(رُک کر) مگر حیرت کیا - جب انجانے میں یئں آسے دن پاپ
کرتا ہوں اور خود اپنے کیے کو نہیں جانتا تو یہ کیسے معلوم کرسکتا
ہوں کہ پرجا میں کون کس راہ پر چلتا ہو -
(پسِ پردہ) ارے میت، کہاں گیا؟ دوڑ بھائی!
راجا - (لپکتا ہوا) - بھائی، گھراؤ نہیں، یئں آیا -
(پسِ پردہ) گھبراؤں کیسے نہیں - کوئی میری گردن کو گنّے کی پور
کی طرح مروڑے ڈالتا ہو -
راجا - (اِدھر اُدھر دیکھ کر) کوئی میرا تیر کمان تو لانا -
بھیلن - (تیر کمان دے کر) مہاراج! لیجیے دست پوش اور کمان -
(راجا انھیں لے لیتا ہو) -
(پسِ پردہ) میں تیرے لہو کا پیاسا ہوں، جیسے شیر تڑپتے ہوئے شکار
کو مارتا ہو ویسے ہی میں تجھے کھاؤں گا - اب بتا، دُکھیوں کا
رکھوالا، دُشینت جو بڑا تیر انداز بنتا ہو، کہاں ہو؟ بچائے نا
تجھے آکر!
راجا (غصّے سے) ایں! یہ تو مجھے چنوتی دینے لگا - ابے کفن چور!
ٹھیر، موت تیرے سر پر منڈلا رہی ہو -
(چلّہ چڑھا کر) کوئی ہو، مجھے راستہ تو دکھانا
عرض بیگن - راستہ یہ ہو مہاراج -

(دونوں تیزی سے چلتے ہیں)

راجا۔(چاروں طرف دیکھ کر) لیکن یہاں تو کوئی نہیں ہی۔

(پسِ پردہ)۔ للّٰہ مجھے بچاؤ۔ مہاراج! میں تو تمھیں دیکھ رہا ہوں، تم مجھے کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ میری حالت بلّی کے پنجوں میں پھنسے ہوے چوہے کی سی ہی۔

راجا۔ او جادوگر! میں تجھے نہیں دیکھ سکتا تو کیا ہوا، میرا بان تو تجھے دیکھے گا۔ لے، اب میں بان چڑھاتا ہوں۔ تیرے سینے کو چھید کر یہ اُس برہمن کو صاف اسی طرح بچالے گا جیسے ہنس پانی میں سے دودھ نکال لاتا ہی۔

(بان چڑھاتا ہی)

(مادھو کو چھوڑ کر ماتلی آتا ہی)

ماتلی۔ مہاراج! اندر بھگوان نے تو راکششوں کو آپ کے بانوں کا ہدف مقرر کیا ہی۔ آپ اُنھی پر بان چھوڑیں اپنوں پر رحمت کی بارش ہونی چاہیے نہ کہ تیروں کی یورش۔

راجا۔(بان اُتار کر)۔ اِندر کے رتھ بان! تم یہاں کہاں۔ بھلے پدھارے۔

(مادھو آتا ہی)

مادھو۔ ایں، جو مجھے قربانی کے بکرے کی طرح حلال کر رہا تھا، اس کی یہ آؤ بھگت!

ماتلی۔(مسکرا کر)۔ مہاراج! سنیے کہ مجھے اِندر نے آپ کی خدمت میں کیوں بھیجا ہی؟

راجا۔ میں دھیان لگا کر سُن رہا ہوں۔

ماتلی۔ راکششوں کا ایک گھرانہ "دربھیے" نامی ہے۔
راجا۔ ہاں، نارد مُنی سے میں اُس کا ذکر سُن چکا ہوں۔
ماتلی۔ اِندر بھگوان بھی اس کا سرِ پنچا نہ کر سکے۔ اب اس کام کے لیے انھوں نے آپ کو چُنا ہے۔ رات کے اندھیرے کو سورج دُور نہیں کر سکتا تو چاند یہ کام انجام دیتا ہے۔
اب آپ ہتھیار باندھ کر کمر کس لیں اور اِندر کے رتھ پر بیٹھ کر بیری سے رن کے لیے چلیں۔
راجا۔ اِندر دیوتا نے مجھے بڑی عزت بخشی۔ مگر یہ تو کہو کہ تم نے مادھو کو کیوں اتنا ستایا۔
ماتلی۔ جب میں نے کسی کارن آپ کو اُداس پایا تو جوش دلانے کے لیے یہ تماشا کیا۔ جب تک ایندھن کُریدا نہ جائے، آگ بھڑکتی نہیں۔ جب تک سانپ چھیڑا نہ جائے، پھن نہیں اُٹھاتا۔ جب تک آدمی کی خودداری کو ٹھیس نہ لگے، وہ بلندی کی طرف نہیں جاتا۔
راجا۔ (مادھو کے کان میں) بھائی اِندر دیوتا کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا۔ تم دیوان جی کو یہ خبر سُنا کر میری طرف سے کہنا کہ جب تک میں اس کام میں مصروف ہوں تب تک وہ اکیلے ہوشیاری سے پرجا کی سیوا کریں۔
مادھو۔ بہت خوب (باہر جاتا ہے)
ماتلی۔ مہاراج، اب رتھ پر سوار ہوں۔
(رتھ میں بیٹھ کر دونوں چل دیتے ہیں)

ڈراپ

ساتواں ایکٹ

جنت کا راستہ

(دشینت اور ماتلی رتھ میں بیٹھے ہوئے آکاش سے اُترتے ہیں)

راجا۔ بھئی ماتلی، یہ سچ ہو کہ میں اِندر کا حکم بجالایا، تاہم انھوں نے مجھ پر جیسی نوازش کی میں ہرگز اس کا مستحق نہ تھا۔

ماتلی۔ مہاراج، آپ دونوں کو یہی شکایت ہو۔ آپ نے اِندر پر بڑا احسان کیا۔ لیکن اسے ان کی آؤ بھگت کے مقابلے میں حقیر سمجھتے ہیں۔ اِدھر اِندر اپنی نوازش کو آپ کی شجاعت کے مقابلے میں کچھ نہیں گنتے۔

راجا۔ یہ نہ کہو۔ آتے وقت انھوں نے میری اتنی عزّت افزائی کی کہ میں تصوّر میں بھی نہ لا سکتا تھا۔

جنتی پھولوں کا ہار، جس پر اُن کے سینے میں لگے ہوئے چندن کی مہک بس گئی تھی۔ گلے سے اُتار کر مجھے پہنا دیا۔ پہناتے پہناتے اِندر نے ایک آنکھ اپنے بیٹے کو دیکھا جو رشک سے اس ہار کو تک رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ سب دیوتاؤں کی موجودگی میں مجھے اپنے ساتھ سنگھاسن پر بٹھلا لیا۔

ماتلی۔ لیکن یہ بھی تو سوچیے کہ آپ کی جتنی عزّت کی جائے کم ہی ہو۔ کیونکہ جنّت سے جنّاتوں کو نکالنے والے دو ہی ہوئے ہیں ایک، نرسنگھ جی

کے تیز ناخون[۵]، دوسرے آپ کے پینے بان۔

راجا۔ ہاں، یہ بھی اِندر بھگوان کی دین ہی سمجھو ورنہ ہم کیا۔ غلام سے
کوئی بڑا کام ہو جائے تو اُسے آقا کی بڑائی کا پھل جانو۔ اگر سورج
شفق کو اپنی سواری کے آگے جگہ نہ دیتا تو اس کی کیا مجال تھی کہ
تاریکی کا دامن چاک کرتی۔

ماتلی۔ یہ انکسار ہی آپ کا بڑاپن ہے۔
(تھوڑی دُور چل کر) مہاراج، دیکھیے تو سہی کہ آپ کے کارناموں
کی گونج عرش میں بھی سُنائی دے رہی ہے۔
اپنی سجنیوں کے سنگار سے بچے ہوئے مہاور، کستوری اور چندن
کو لے کر یہ دیوتا بہشتی پیڑوں پر آپ کے چرت کے گیت لکھ رہے ہیں۔

راجا۔ جاتے وقت، جوش کے مارے ہم نے توجہ نہیں کی تھی۔ لیکن اب
فردوس کی ہوائیں میری رُوح کے ہر ہر تار کو مسرور کر رہی ہیں۔
(رتھ کے پہیوں کو دیکھ کر) شاید اب ہم بادلوں کی سطح پر اُتر آئے۔

ماتلی۔ آپ نے کیسے جانا؟

راجا۔ تمھارا رتھ صاف بتلا رہا ہے کہ ہم آب بردوش بادلوں میں سے ہو کر
جا رہے ہیں کیونکہ پہیے بھیگے ہوئے ہیں۔ اور ان کے دُھروں میں
سے ہو کر چکور یہاں وہاں اُڑ رہے ہیں اور بجلی کے جوت میں
گھوڑے رہ رہ کر چمک اُٹھتے ہیں۔

ماتلی۔ اب میں آناً فاناً آپ کو راجدھانی پہنچا دوں گا۔

راجا۔ تیزی سے اُترتے ہوئے، ہماری دُنیا کتنی عجیب معلوم ہو رہی ہے۔

---

[۵] پرانک تلمیحات - ۹

ایسا لگتا ہے کہ پہاڑ اوپر اُٹھتے جاتے ہیں اور ان کی چوٹی پر رکھی ہوئی زمین نیچے کھسکتی جاتی ہے۔ پیڑوں کے تنے جو پہلے پتّوں میں ڈھنکے ہوئے تھے اب اُجاگر ہوگئے ہیں۔ ندیوں کا پاٹ چوڑا ہوتا جاتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ساری دُنیا کو کسی نے اوپر اُچھال دیا ہے۔

ماتلی۔ آپ کی نگاہ واقعی دور رس ہے۔

(زمین کو حیرت سے دیکھ کر) آپ کی دُنیا دراصل بہت شان دار اور خوب صورت ہے۔

راجا۔ ماتلی، پورب پچھم کے سمندروں کے بیچوں بیچ یہ کون سا پربت ہے جس سے پگھلا ہوا سونا سا بہہ رہا ہے، گویا شام کی بدلیوں کو ایک ہار میں گوندھ دیا ہو۔

ماتلی۔ مہاراج، اس پہاڑ کا نام ہیم کوٹ ہے اور اس میں براق[۵] رہتے ہیں۔ وہ دیکھیے، برہما کے پوتے کشیپ رشی اس میں تپشیا کر رہے ہیں۔

راجا۔ اچھا! تو لگے ہاتھوں ان کا آشیرباد لیتے کیوں نہ چلیں۔ ان کے چرن چھونے کا اس سے بہتر کون سا موقع ہو سکتا ہے۔

ماتلی۔ آپ کا یہ خیال مجھے جی جان سے پسند آیا۔ (دونوں اُترتے ہیں)

راجا۔ (تعجب سے) رتھ کے پہیوں کی کچھ آہٹ نہ ہوئی، نہ دھول اُڑی، نہ دھچکا لگا، نہ یہ معلوم ہوا کہ ہم کب اُتر آئے۔

ماتلی۔ آپ کے اور اندر کے رتھ میں بس یہی تو فرق ہے۔

راجا۔ کشیپ کا آشرم کہاں ہے؟

---

[۵] براق۔ کنّر +

ماتلی۔ وہ دیکھیے، جہاں ایک جوگی سوکھے ڈنڈے کی طرح سورج کو ایک ٹک دیکھتا ہوا اچل کھڑا ہو۔ اس کا آدھا جسم دیمکوڑے میں دھنس گیا ہو اور جینو کی جگہ سانپ کی کینچلی لپٹی ہوئی ہو۔ یہی نہیں بلکہ اس کی جٹاؤں میں چڑیوں نے گھونسلے بنا لیے ہیں اور گلے میں سوکھی بیلوں کے اُلجھے پھندے ہوسے ہیں۔

راجا۔ اس مہاتما کو میں پرنام کرتا ہوں۔

ماتلی۔ (باگ کھینچ کر) مہاراج، اب ہم کشیپ رشی کے آشرم میں آگئے ہیں۔ جہاں جنتی پیڑ پودے لہلہا رہے ہیں۔

راجا۔ اسی وجہ سے یہاں فردوس سے بھی زیادہ امن اور سکون ہو۔ مجھے تو یہ محسوس ہو رہا ہو کہ امرت کے کنڈ میں نہا رہا ہوں۔

ماتلی۔ (رتھ ٹھیرا کر) اب حضور یہاں اُتر جائیں۔

راجا۔ اور تم؟

ماتلی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ رتھ یہیں رُکا رہے گا۔ (رتھ سے اُتر کر) اِدھر سے آئیے۔ ذرا اس تپ بن کی عظمت کو ملاحظہ فرمائیے۔

راجا۔ یہ تو کلپ[۱] کے پیڑوں کا بن ہو، جس کی ہوا پی کر آدمی زندہ رہ سکتا ہو۔ یہاں سُنہری کنول کا پراگ رلا ہوا پانی اشنان کے لیے ملتا ہو۔ پتھے اور پکھراج کے مندر پوجا کے لیے موجود ہیں۔ پھر ان پریوں کا حُسن کیسا تپ توڑ ہو۔

اسی معراج کو حاصل کرنے کے لیے دوسرے لوگ جپ تپ

---

[۱] پرانک تلمیحات ۔۔ ۱۰

کی سختیاں جھیلتے ہیں۔ یہ سب ان تپشیوں کے قدموں پر ہو۔ مگر یہ اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اپنے دھیان میں مگن رہتے ہیں۔

ماتلی۔ بڑوں کی بڑی باتیں۔

(کسی کو دیکھ کر) اجی بڑے میاں، اس سمے مہاتما کشیپ کیا کر رہے ہیں؟

(کان پر ہاتھ لگا کر) کیا کہا؟ آشرم کی دیویوں کو بیوی کے فرائض سمجھا رہے ہیں!

راجا۔ پھر وہاں میاؤں کا کیا کام۔ انھیں نبٹ لینے دو تو چلیں گے۔

ماتلی۔ آپ گھڑی بھر اس اشوک کے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھیں میں موقع دیکھ کر آپ کے آنے کا سندیسا کشیپ رشی کو سنا کر آتا ہوں۔

راجا۔ اچھا یہی سہی۔ (ماتلی جاتا ہے، راجا بیٹھ جاتا ہے)

راجا۔ (شگون دیکھ کر) میری بانہہ خواہ مخواہ کیوں پھڑکنے لگی۔ یہاں تو مراد بر آنے کی کوئی آس نہیں۔ جو آدمی گھر آئے ہوئے سکھ کو ٹھکرائے گا وہ اس کے بدلے دکھ اٹھائے گا ہی۔

(پس پردہ) ارے نٹ کھٹ! تو اپنی شرارت سے باز نہ آئے گا۔ پھر اپنی اصلیت پر آگیا۔

راجا۔ (کان لگا کر) یہاں کون ایسا چنچل چپل آگیا؟ یہ پھٹکار کس پر پڑ رہی ہے؟ (جدھر سے آواز آرہی ہے، اُدھر حیرت سے دیکھتے ہوئے) ارے یہ کس کا لڑکا ہوگا، جسے دو جوگنیں تھامے ہوئے ہیں۔ بچوں میں تو ایسا بل کبھی نہیں دیکھا۔ شیرنی کا بچہ ابھی ماں کا دودھ پی بھی نہ پایا تھا کہ یہ کھیلنے کے لیے ایال پکڑ کر اسے کھینچے لاتا ہے۔

(ایک لڑکا شیر کے بچے کو گھسیٹتے ہوئے آتا ہے، دو جوگنیں اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہیں)

لڑکا۔ شیر رے شیر، مُنہ پھاڑ تو میں تیرے دانت گنوں۔

ایک جوگن۔ ارے نرودئی! تو گونگے جانوروں کو کیوں ستاتا ہے۔ ہم تو بال بچوں کی طرح ان کی دیکھ ریکھ کریں، مگر اس کے ہیاؤ کو دیکھو تو دن دن بڑھتا ہی جاتا ہے۔

سادھوؤں نے تیرا نام 'سرودمن[۹۵]' رکھا تو کیا غلط ہے۔

راجا۔ (خود) کیا وجہ ہے کہ اس بچّے کو دیکھتے ہی میرے سینے میں چاہ کی ایسی لہر اُٹھ رہی ہے، جیسے یہ میری ہی اولاد ہو۔ شاید جو لاولد ہوتے ہیں، اُن کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

دوسری جوگن۔ تو اسے نہ چھوڑے گا تو اس کی ماں تجھے پکڑ لے گی۔

لڑکا۔ (کھِل کھِلا کر) اوہو، شیرنی کا مجھے ایسا ہی تو ڈر ہے۔ (منہ بڑھاتا ہے)

راجا۔ (خود) یہ لڑکا بڑا ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ انگارہ ہے انگارہ، جسے ایندھن ملے تو ابھی آگ کا شعلہ بن جائے۔

جوگن۔ ننھے، تو اسے چھوڑ دے تو میں اچھے اچھے کھلونے دوں گی۔

لڑکا۔ نہیں، پہلے لاؤ۔ (ہاتھ پھیلاتا ہے)

راجا۔ اس کے سب لچھن شہنشاہوں کے سے ہیں۔ کیونکہ کھلونا لینے کو جب اس نے ہاتھ بڑھایا تو ملی ہوئی انگلیوں کے ساتھ اس کی ہتیلی ویسی ہی بھلی لگتی تھی جیسے پو پھٹے کھِلتا ہوا لال کنول، جس کی پنکھڑیاں ابھی جُڑی ہوئی ہوں۔

---

[۹۵] سرودمن: سب پر جبر کرنے والا۔

ایک جوگن ۔ (دوسری سے) یہ ضدی باتوں میں نہ آئے گا۔ جاؤ، میری کٹیا میں مٹی کا مور رکھا ہوا ہو اُسے ہی اُٹھا لاؤ۔

دوسری ۔ ابھی لاتی ہوں۔ (جاتی ہو)

لڑکا ۔ تب تک میں شیر کے بچے سے ہی کھیلوں گا۔

(جوگن کی طرف دیکھ کر ہنستا ہو)

راجا ۔ (خود) اس نٹ کھٹ کی طرف میرا دل کھنچ رہا ہو۔ بے بات پر ہنسنا، تتلا کر بولنا، دوڑ دوڑ کر گود میں اُچکنا۔ مجھے بچوں کی یہ معصوم ادائیں بہت بھاتی ہیں۔ وہ ماں باپ خوش نصیب ہیں جو بچوں کو گود لے کر اُن کے بدن کی دھول سے اپنا جسم میلا کرتے ہیں۔

جوگن ۔ دیکھو، یہ من موجی میری بات پر کان ہی نہیں دیتا۔

(اِدھر اُدھر دیکھ کر) یہاں کوئی چیلا بھی تو نہیں ہو۔

(راجا کو دیکھ کر) صاحب، مہربانی کر کے تمھیں آؤ اور اس نٹ کھٹ کے ہاتھ سے باگھ بچے کو چھڑاؤ۔ کھیل کھیل میں اُسے اس زور سے جکڑ لیا ہو کہ چھڑائے نہیں چھوڑتا۔

راجا ۔ اچھا اچھا۔

(ہنستے ہوئے لڑکے کے پاس جا کر) رشی کمار! تیرے بڑکھوں کا طور تو یہ ہو کہ ان بے زبانوں کی رکھوالی کریں۔ پھر تو آشرم کی ریت کو توڑ کر ان کی آتما کو کیوں دُکھ دیتا ہو؟ تو نے تو چندن کے پیڑ پہ ناگ کا بسیرا کی مثل سچ کر دکھائی۔

جوگن ۔ صاحب، یہ رشی کمار نہیں ہو۔

راجا ۔ اس کی صورت شکل اور حرکت تو یہی بتاتی ہو۔ لیکن اُسے تپ بن

میں دیکھ کر یہی خیال گزرتا ہی کہ کسی سادھو سنیاسی کا بیٹا ہوگا۔
(شیر کے بچے کو چھڑاکر، لڑکے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوے)
(خود) معلوم نہیں یہ کس بنس کا دیپک ہی کہ ایک بار چھوتے ہی میرے
روئیں روئیں میں سنسنی دوڑ گئی۔ پھر یہ جس گھر کا اُجیالا ہی اُس کی
مسرت کا کیا ٹھکانا ہوگا۔

جوگن۔(دونوں کو دیکھ کر) کیسی عجیب بات ہی۔

راجا۔کیوں، کیا ہُوا؟

جوگن۔تم دونوں کا ناک نقشہ بہت ملتا ہُوا ہی۔ اور اس کا بھی اچنبھا ہی کہ
بے جان پہچان اس ضدّی نے تمھارا کہا کیسے مان لیا۔

راجا۔(لڑکے کو کھلاتے ہوے) بڑی بی، یہ رِشی کمار نہیں تو پھر کس گھرانے کا ہی؟

جوگن۔ اجی، یہ تو پُرو بنسی ہی۔

راجا۔ (خود) یہ کیا بات ہی۔ یہ ہمارے گھرانے کا کیوں کر ہُوا اور پھر جوگن
نے اسے میرا ہم شکل بھی بتلایا!

البتہ، ہمارے بنس میں یہ ریت تو ہی کہ جوانی میں کام کاج کے
ساتھ راس رنگ بھی کرتے ہیں۔ اور بڑھاپے میں سنسار تج کر بن
کے پیڑوں کے نیچے دھونی رماتے ہیں اور جپ تپ میں آخری
عمر گزارتے ہیں۔

(بآواز) لیکن یہ ایسا مقام تو نہیں کہ ہر خاص و عام کے لیے کھُلا ہُوا ہو؟

جوگن۔ یہ تو سچ ہو مگر اس کی ماں کا ناتا اپسراؤں سے ہی۔ اسی لیے اس
کا جنم تپ بن میں ہُوا۔

راجا۔(خود) لو، امید کو ایک اور سہارا ملا۔

(بآواز) اور یہ تو کہو کہ اس کی ماں کس بھاگوان کی بیوی ہو ؟

جوگن۔ جس پاپی نے اپنی بیاہی ہوئی بیوی کو گھر نکالا دیا اس کا نام کون اپنی زبان پر لائے گا۔

راجا۔ (خود) یہ اشارہ بھی میری طرف ہو۔ ذرا اس لڑکے کی ماں کا نام پوچھ دیکھوں۔

(سوچ کر رُک جاتا ہو) کہیں پرائی عورت نکلی تو اس کی پوچھ تاچھ باعثِ شرم ہوگی۔

(دوسری جوگن ہاتھ میں مٹی کا مور لیے آتی ہو)

جوگن۔ مُنّے، دیکھ اس "شکنتؔ[1]" کو۔ کتنا خوب صورت ہو۔

لڑکا۔ امّی جان کہاں ہیں ؟

جوگنیں۔ ماں کا پیارا ! نام سے دھوکا کھا گیا۔

دوسری جوگن۔ بیٹے، میں نے تو کہا تھا کہ مٹی کے اس سندر مور کو دیکھو۔

راجا۔ (خود)۔ کیا واقعی اس کی ماں کا نام شکنتلا ہی ہو ؟ ...... مگر ایک نام کے بہت آدمی ہوتے ہیں ...... اور کچھ نہیں تو یہ نام ہی سراب کی طرح مجھے پریشان کرنے کو آ گیا۔

لڑکا۔ مجھے یہ کھلونا بہت بھاتا ہو (ہاتھ میں لے لیتا ہو)

جوگن۔ (گھبرا کر) ارے، اس کی بانہ سے گنڈا کہاں گر پڑا۔

راجا۔ جب یہ شیر کے بچّے سے کھیل رہا تھا تو وہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھو۔

(اُٹھانے کو جھکتا ہو)

---

[1] شکنت سنسکرت میں پرندے کو کہتے ہیں۔ جب شکنتلا جنگل میں پڑی ہوئی تھی تو پرندوں نے اس کی رکھوالی کی۔ اسی وجہ سے اس کا نام شکُنتلا پڑا۔

جوگنیں۔ نہ اُٹھاؤ، نہ اُٹھاؤ۔ ارے، اس نے کیا کیا!

(چھاتی پر ہاتھ رکھ کر اچنبھے سے ایک دوسرے کو تکتی ہیں)

راجا۔ میرے اُٹھانے سے کیا اس میں چھوت لگ گئی؟

جوگن۔ صاحب، یہ بات نہیں ہے۔ جب اس کا عقیقہ ہوا تو کشیپ رشی نے ایک گنڈا اس کے بازو پر باندھا۔ اس میں یہ گُن ہے کہ اگر دھرتی پر گر پڑے تو ماں باپ کے سوا کوئی تیسرا نہ اُٹھا سکے۔

راجا۔ اور اگر اُٹھالے؟

جوگن۔ تو یہ اُسی آن سانپ بن کر اُسے ڈس لیتا ہے۔

راجا۔ تم نے ایسا ہوتے کبھی دیکھا بھی ہے؟

جوگنیں۔ ایک نہیں، بیسیوں بار۔

راجا۔ (خوشی کے مارے باغ باغ ہو کر)۔ اب جا کر میری آرزو بر آئی۔

(بچّے کو سینے سے چمٹا لیتا ہے)

دوسری جوگن۔ بہن آؤ۔ یہ خوش خبری دُکھیا شکنتلا کو سُنائیں۔ وہ بیچاری برسوں سے اسی دن کی آس میں برہ کے دن کاٹ رہی ہے۔

(دونوں جاتی ہیں)

لڑکا۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں امّی پاس جاؤں گا۔

راجا۔ بیٹے، ہم تم دونوں اُن کے پاس چلیں گے تو وہ زیادہ خوش ہوں گی۔

لڑکا۔ تم میرے باپ تھوڑے ہو۔ میرا باپ تو دُشینت ہے۔

راجا۔ (مُسکرا کر) یہ کہہ کر اُس نے میری رہی سہی دبدھا بھی مٹادی۔

(بال کھولے ہوئے شکنتلا آتی ہے)

شکنتلا۔ (خود) سُنا ہی سُنا ہے کہ سرودمن کے گنڈے نے اپنا گُن نہیں دکھایا

مگر اپنے جلے نصیبوں پر مجھے بھروسا نہیں ہوتا ...... ہاں، اتنی آس ہو کہ شاید سانومتی کا کہا ٹھیک نکل آئے۔

راجا۔ (اسے دیکھ کر) آہ! یہی میرے دل کی رانی ہو۔ بہت دنوں سے تپ کرتے کرتے بدن سوکھ گیا ہو، بال اُلجھے ہوے ہیں، تن پر گیروا برن ہو، سب سُکھ چھوڑ کر مجھ سنگ دل کے لیے یہ با وفا بروگ کا دُکھ سہہ رہی ہو۔

شکنتلا۔ (راجا کو دیکھ کر۔ جس کی شکل تاسُّف کی وجہ سے بہت بدل گئی ہو۔ خود) میرے دیوتا کی یہ دھج تو نہیں تھی۔ اگر یہ وہ نہیں تو پھر کون ہو؟ کوئی اور ہو تو اُسے میرے بچّے کے رکشا بندھن کو چھونے کی جراُت کیسے ہوئی؟

لڑکا۔ (ماں کی طرف لپک کر)۔ امّی، یہ پردیسی کون ہو جس نے بیٹا کہہ کر مجھے گود میں اُٹھا لیا؟

راجا۔ (شکنتلا سے) میری دیوی! میں نے تم پر اتنا ظلم کیا لیکن اس کا انجام بھی مبارک ہوا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھے بھولی نہیں ہو۔

شکنتلا۔ (خود) میرے سہمے ہوے دل! اب تو دھیرج رکھ۔ مجھے یقین ہو چلا کہ قسمت نے آخر میرے دن بھی پھیر دیے۔ ہاں میرے سوامی یہی ہیں۔

راجا۔ یہ کیسی نیک ساعت ہو کہ میری آنکھوں کے آگے سے وہ پردہ ہٹ گیا۔ اور اب میں اپنی پیاری کو اسی طرح رُوبرُو دیکھ رہا ہوں جیسے گہن سے نکل کر دھندلایا ہوا چاند اپنی جوت کو دیکھتا ہو۔

شکنتلا۔ میرے دیوتا کی ——— (آواز آنسوؤں میں رندھ جاتی ہو)

راجا۔ میری جان میں سمجھ گیا کہ تو "جے" کہنا چاہتی تھی لیکن آنسوؤں نے اسے مسوس دیا۔ مگر تیرے دیدار ہونے کے بعد میری جے یقینی ہو۔

لڑکا۔ امّی، بتاؤ تو سہی کہ یہ آدمی کون ہو؟
شکنتلا۔ بیٹا، اپنی قسمت سے پوچھ (رونے لگتی ہو)
راجا۔ (شکنتلا کے قدموں پر گر کر) دیوی، تو' توہین کے صدمے کو اپنے
دل سے دھو ڈال۔ معلوم نہیں اُس وقت مجھ پر کیسی خود فراموشی
طاری ہوگئی کہ میں تجھے بھول گیا۔ ناسمجھ اکثر اپنے آگے رکھی ہوئی
نعمت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اندھے کے گلے میں ہار ڈالو تو وہ سانپ
سمجھ کر اُسے پھینک دیتا ہو۔
شکنتلا۔ پران پیارے! مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹو۔ للّٰلہ اٹھو۔ اُن دنوں میرے
پچھلے جنم کے پاپ آگے آئے۔ جنھوں نے میری نیکیوں پر پردہ ڈال
کر تمھیں مجھ سے برہم کر دیا۔

(راجا اُٹھتا ہو)

اب یہ کہو کہ مجھ دُکھیا کی سُدھ کیسے آئی۔
راجا۔ میرے دل سے ندامت کا کانٹا نکل جائے تو سُناؤں۔ اس دن
انجان میں ہونٹ پر گرتے ہوے تیرے آنسو کی بوند کو میں نے دیکھ
کر اَن دیکھا کر دیا تھا۔ اس پچھتاوے کو آج میں تیری پلک پر اٹکے
ہوے آنسو کو پونچھ کر مٹاؤں گا۔ (آنسو پونچھتا ہو)
شکنتلا۔ (راجا کی اُنگلی میں انگوٹھی دیکھ کر) کیا یہ وہی مندری ہو؟
راجا۔ ہاں۔ اس کے ملتے ہی مجھے تمھاری یاد آئی۔
شکنتلا۔ اس نے کیا ستم کیا کہ جب یاد دلانے کو میں نے اسے ڈھونڈا تو
یہ گم ہو چکی تھی۔
راجا۔ پیاری، ہمارے دوبارہ سنجوگ ہونے کی نشانی میں بیل کو اپنی

ٹہنی پھول سے سجانے دو۔ لو، یہ انگوٹھی پہن لو۔
شکنتلا نہیں، مجھے اس کا بھروسا نہیں۔ تمھیں اسے پہنو۔
(ماتلی آتا ہے)
ماتلی۔مہاراج! آج کا دن مبارک ہو کہ آپ نے کھوئی ہوئی لچھمی پائی اور اپنے بیٹے کا منہ دیکھا۔
راجا۔ہاں، ماتلی۔میری زندگی کے پیڑ پر ایک نیا پھل آیا ہے۔ اچھا یہ تو کہو کہ اندر بھگوان کو اس واقعے کی خبر تھی؟
ماتلی۔لیجیے، اجی دیوتاؤں سے بھی کچھ پوشیدہ ہے؟ آیئے، مہاتما کشیپ آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔
راجا۔شکنتلا، بچے کی انگلی پکڑ لو۔ میں تمھارے ساتھ اس مہارشی کے درشن کروں گا۔
شکنتلا۔مگر مجھے تمھارے سنگ بڑوں کے سامنے ہوتے لاج آتی ہے۔
راجا۔بھئی، اس شبھ گھڑی میں لاج شرم کیسی۔آؤ بھی۔
(سب چلتے ہیں۔کشیپ رشی اپنی بیوی ادیتی کے ساتھ آسن پہ بیٹھے نظر آتے ہیں)
کشیپ۔(اپنی بیوی سے) تمھارے سپوت اِندر کی فوج کا سردار اور سنسار کا رکھوالا راجا دشینت یہی ہے۔اس کی کمان کی کڑک کے آگے اندر کے کوندے کی گرج بھی دھیمی ہو جاتی ہے۔
ادیتی۔اس کی چال ڈھال سے ہی بڑائی ٹپکتی ہے۔
ماتلی۔(راجا سے علیحدہ) مہاراج! دیکھا آپ نے دیوتاؤں کے ماتا پتا کو۔ آپ کی طرف یہ ایسی شفقت سے دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی

اپنی اولاد کو دیکھتا ہو۔ آگے بڑھ کر قدم لیجیے۔

راجا۔ ماتلی! کیا کشیپ اور ادیتی یہی ہیں؟ کیا انھی نے سیّاروں اور ستاروں کی تخلیق کی تھی؟ کیا یہی اندر کے جنم داتا ہیں؟ کیا ان کی ہی کوکھ سے وشنو وامن اوتار[1] بن کر پیدا ہوے تھے؟

ماتلی۔ جی ہاں، وہ یہی ہیں۔

راجا۔ (سجدہ کرکے) اِندر کا سیوک دُشینت آپ دونوں کو پرنام کرتا ہو۔

کشیپ۔ جُگ جُگ جیو اور دھرتی پر راج کرو۔

ادیتی۔ لڑائی کے میدان میں کوئی تمھارا ہم پلّہ نہ ہو۔

(شکنتلا بیٹے کے ساتھ قدموں پر گرتی ہو)

کشیپ۔ بیٹی، تیرا دولھا اِندر کا جوڑی دار ہو اور تیرا بیٹا اِندر کے وارث کا مقابل ہو۔ تجھے اس کے سوا کیا دعا دوں کہ تو اِندرانی کی ہم سر ہو۔

ادیتی۔ دُعا ہو کہ تو اپنے میاں کی محبّت اور عزّت کی اکیلی حق دار ہو، تیرا سپوت بڑی عمر پائے اور ماں باپ کی آنکھوں کو سدا سُکھ پہنچائے۔ آؤ بیٹھو۔

(سب لوگ رشی کو گھیر کر بیٹھ جاتے ہیں)

کشیپ۔ (ہر ایک کی طرف باری باری سے دیکھ کر) کیسی نیک ساعت میں تم سب کا ملاپ ہُوا۔ شکنتلا، یہ ہونہار بچّہ اور تم! —— یہ سمجھو کہ دھرم، کرم اور دھن کا میل ہوا ہو۔

راجا۔ مہاتما، آپ کی نوازش کو کیا کہیے۔ یہی دیکھا ہو کہ پہلے پھول آتا ہو

---

[1] پُرانک تلمیحات ۔ ۱۲

تب پھل لگتا ہے۔ پہلے بادل آتا ہے پھر برکھا ہوتی ہے۔ لیکن تمھاری قدرت نرالی ہے کہ میری مُراد پہلے برآئی اور دُعا بعد میں ملی۔

ماتلی۔ یہ مہاتماؤں کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

راجا۔ مہاراج! آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ کی اس باندی کا بیاہ گاندھرو ریت سے میرے ساتھ ہُوا تھا۔ کچھ دنوں بعد اس کے میکے کے لوگ اُسے میرے پاس لائے۔ اُس وقت جانے میرے اوسان کیا ہوئے کہ میں اُسے بالکل بھول گیا۔ اور اُسے تج کر آپ کے عزیز کنور رِشی کا مجرم بنا۔ بعد میں اس گمُ شدہ انگوٹھی کو دوبارہ دیکھتے ہی مجھے بھولی ہوئی بات یاد آئی۔ اس وجہ سے مجھے سخت حیرت ہے۔ یہ تو وہی قصّہ ہوا کہ سامنے ہاتھی کو دیکھ کر بھی کوئی کہے کہ نہیں یہ ہاتھی نہیں ہے۔ جب وہ چلا جائے تو گو مگو میں پڑ جائے کہ ہاتھی کہیں یہی تو نہ تھا۔ اور پھر اس کے پیروں کے نشان کو دیکھ کر باور کرے کہ بے شک میں نے پہچاننے میں غلطی کی تھی۔

کشیپ۔ بیٹا! اپنے گناہ کا خیال دل سے نکال دو۔ کیونکہ تم سے یہ انجان میں سرزد ہوگیا۔ اب سُنو۔

راجا۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔

کشیپ۔ مینکا سے اپنی بیٹی کا الم نہیں دیکھا گیا اور وہ اسے ادیتی دیوی کے پاس اُٹھا لائی۔ اسی وقت کشف سے میں نے معلوم کر لیا کہ تم نے دُرواسا کے شاپ کے کارن اس ستی کو تج دیا ہے۔ اور جب تک انگوٹھی نہ ملے گی اس شاپ کا اثر باقی رہے گا۔

راجا۔ (خود) شکر ہے کہ میں اس کلنک سے بچ گیا۔

شکنتلا۔ (خود) تو یہ کہو کہ پیارے نے مجھے جان بوجھ کر نہیں ٹھکرایا تھا۔
لیکن یاد نہیں پڑتا کہ مجھے کس نے اور کب شاپ دیا تھا۔ شاید
کہ اُس آن بجوگ کے دُکھ میں میں اپنا پرایا بھول گئی تھی کیونکہ بدائی
کے سمے سکھیوں نے بھی تو جتایا تھا کہ دولہا کو انگوٹھی دکھا دینا۔
کشیپ۔ بیٹی، اب تجھے آگے پیچھے کا سب حال معلوم ہو گیا۔ اپنے میاں کو
کبھی مجرم قرار نہ دینا۔
بد دُعا کی وجہ سے وہ خود فراموشی میں مبتلا ہو گیا۔ اور تجھے بھلا
دیا۔ اب وہ ساعت ٹل گئی اور تجھے اپنا راج پاٹ مل گیا۔
گرد پڑ جانے سے درپن میں عکس نہیں پڑتا، مگر صاف کر دو تو
کیسا جگر جگر کرنے لگتا ہے۔
راجا۔ (بچے کا ہاتھ تھام کر) پربھو، یہ میرے بنس کا نام لیوا اور پانی دیوا ہوگا۔
کشیپ۔ سُن لو کہ یہ راجاؤں کا راجا ہوگا۔
یہ نونہال ساتوں دیپوں کو جیتے گا اور جیسے اس آشرم کے
جانوروں پر راج کرنے سے اس کا نام سرودمن پڑا، ویسے ہی
سنسار کو امن و سکون پہنچا کر بھرت کہلائے گا۔
راجا۔ آپ کے سایہ میں جس بچے کی پرورش ہوئی ہے وہ جو نہ کرے
تھوڑا ہے۔
ادیتی۔ اجی سُنو۔ شکنتلا کے سوئے ہوئے بھاگ جاگے، یہ سندیسا اس
کے منہ بولے باپ کو بھی بھیجنا ہے۔ اس کی ماں مینکا تو یہیں کہیں
ہے اور سب کچھ جانتی ہے۔
شکنتلا۔ (خود) مائی نے میرے دل کی بات کہہ دی۔

کشیپ - اپنے تپ کے بل سے کنو کو سب حال معلوم ہو چکا ہوگا۔
راجا - شاید اسی وجہ سے وہ مجھ سے خفا نہیں ہوے۔
کشیپ - اور کیا۔

جو بھی ہو، اپنی طرف سے ہمیں یہ مژدہ اُنھیں بھی سُنا دینا چاہیے۔

ارے کوئی ہو؟

(ایک چیلا آتا ہو)

چیلا - گرو جی، کیا حکم ہو؟
کشیپ - تو ابھی اُڑکر کنو منی کے پاس جا اور میری طرف سے یہ سکھ سندیسا سُنا کہ درواسا کی بد دُعا کی مدت ختم ہوگئی تو آج دُشینت نے سدا سہاگن شکنتلا کو پہچانا اور سر آنکھوں پر لیا۔
چیلا - بہت خوب۔ (جاتا ہو)
کشیپ - بیٹا! اب تم بھی بال بچّے سمیت اندر کے رتھ پر بیٹھ کر خوشی خوشی اپنی راج دھانی سدھارو۔
راجا - بجا ارشاد۔
کشیپ - اور سُنو۔

اندر اتنا مینہ برسائے کہ تمھاری پرجا مالا مال ہو جائے۔ تم اتنے "یگیہ" کرو کہ دیوتا نہال ہو ہو جائیں۔ ایک دوسرے کا دم بھرتے ہوے تم دونوں سو جُگ تک راج کرو جس سے دھرتی اور آکاش کے باسیوں کے بھاگ کُھلیں اور وہ تم دونوں کا جس گایا کریں۔

راجا۔ مہاتما! میں تن من سے اپنے فرائض انجام دوں گا۔
کشیپ۔ بولو، تمھیں کوئی اور آشیرباد دوں۔
راجا۔ آپ نے تو اتنا دیا کہ میں اسی سے زیر بار ہو گیا۔ تاہم اگر آپ پوچھتے ہیں تو پھر دعا کیجیے کہ بھرت[1] کا یہ بچن پورا ہو:۔
"راجا اپنی پرجا کی بھلائی کے دھیان میں رہا کریں۔ پنڈت گیان کی سیوا کیا کریں اور مہادیو مجھے نجات کا راستہ دکھائیں۔"
کشیپ۔ جاؤ، یہی ہو گا۔
(سب باہر جاتے ہیں)

ڈراپ

تمام شد

---

[1] ڈرامٹک تعلیمات ۔ ۱۲

اردو

انجمن ترقی اردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے۔

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں، ان پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے سکۂ انگریزی (آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے (دو روپے سکۂ عثمانیہ)

رسالہ سائنس

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد سے شائع ہوتا ہے)

اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو داں میں مقبول کیا جائے دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں یا جو بحثیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کرتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ روپے سکۂ انگریزی (چھ روپے سکۂ عثمانیہ)

خط و کتابت کا پتا:۔ معتمد مجلس ادارت رسالۂ سائنس۔ جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

چندہ سالانہ ایک روپیہ (عہ/)

فی پرچہ ایک آنہ

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام منیجر چھپی اور سید صلاح الدین جمالی منیجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کی۔